

جدید فقہی مباحث

موجودہ اہم سماجی مسائل کے حل کیلئے

وقف کی اہمیت اور طریقہ کار

بحث و تحقیق

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

بانی

حضرت مولانا قاضی مفتی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جلد (۲۲)

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

.....جملہ حقوق محفوظ ہیں.....

Islamic Fiqh Academy (India)

مجمع الفقہ الاسلامی (الہند)

اجازت نامہ سلسلہ مطبوعات اسلامی فقہ اکیڈمی

محترمی نعیم اشرف نور، نعیم اشرف نور سلمہم اللہ تعالیٰ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعائے عافیت دارین اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی دینی و علمی خدمات کو قبول فرمائے اور دینی و دنیاوی ترقیات سے نوازیں، آمین۔
اسلامی فقہ اکیڈمی کی جملہ مطبوعات کی پاکستان میں اشاعت و طباعت و تقسیم کے لیے آپ کے ادارے "ادارۃ القرآن والعلوم
الاسلامیہ" کو اجازت دی جاتی ہے، اور پاکستان میں یہ حق صرف آپ کے ادارے کو حاصل رہے گا۔ تمام پرسان احوال کو میرا سلام
پہنچا دیں۔
والسلام مجاہد الاسلام قاسمی

صدر اسلامی فقہ اکیڈمی

.....نعیم اشرف نور.....

باہتمام

.....ادارۃ القرآن گلشن اقبال.....

ناشر

کراچی، فون: 021-34965877

.....۲۰۰۹ء.....

اشاعت

ڈسٹری بیوٹرز

☆ مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن کراچی 021-34856701

مرکز القرآن اردو بازار کراچی 021-32624608

ملنے کے پتے

☆ ادارۃ اسلامیات ۹۰ انارکلی لاہور 042-37353255

☆ ادارۃ اشاعت اردو بازار کراچی 021-32631861

☆ بیت العلوم ناٹھ روڈ پرائی انارکلی لاہور 042-37352483

☆ بیت القرآن اردو بازار کراچی 021-32630744

☆ مکتبہ رحمانیہ لاہور 042-37334228

☆ ادارۃ المعارف دارالعلوم کوئٹہ 021-35032020

☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ 2668657

☆ مکتبہ معارف القرآن دارالعلوم 021-35031565-6

☆ ادارۃ القرآن والعلوم اسلامپور ۱-H-8/1 اسلام آباد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَشْهَدُكَ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللَّهِ

فہرست مضامین

۷	ابتدائیہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
		پہلا باب: سوالنامہ اور فیصلے
۱۳	اکیڈمی کا فیصلہ	
۱۳	سوالنامہ	

دوسرا باب: وقف سے متعلق تمہیدی نکات

۲۱	اوقاف سے متعلق شرعی احکام میں اجتہاد کی ضرورت	ڈاکٹر محمد عبد الغفار شریف
۲۸	نئے اوقاف کا قیام - مسائل اور عملی تدابیر	مولانا بدر الحسن قاسمی

تیسرا باب: وقف - ضرورت و اہمیت

۳۵	وقف نقدی - ہماری موجودہ زندگی میں وقف کے کردار کا احیاء	ڈاکٹر شوقی احمد دنیا
۵۹	وقف کا مقام اور سماجی مسائل کے حل میں اس کا کردار	عبدالرحمن بن سلیمان المطر ودی

چوتھا باب: وقف کا فقہی پہلو

تفصیلی مقالات:

۱۰۷	سماج کے سنگین مسائل کے حل کے لئے اوقاف کا قیام	مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی
۱۱۳	اوقاف کا قیام - کئی مسائل کا بہترین شرعی حل	مولانا راشد حسین ندوی

- ۱۱۸ مولانا عبدالسبحان ندوی اوقاف کی فضیلت، تاریخ اور موجودہ دور میں ان کے قیام کی بعض عملی صورتیں
- ۱۳۱ مولانا بلال احمد قاسمی معاشی مسائل کے حل میں اوقاف کا کردار
- ۱۳۵ مولانا محمد ارشد مدنی چیمپارنی متنوع سماجی و معاشی مسائل کے حل میں اوقاف کا کردار
- ۱۴۰ مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی موجودہ دور میں اوقاف کے شرعی مصارف
- ۱۴۳ مولانا اقبال احمد قاسمی اوقاف کا قیام - ضروریات اور دائرہ کار
- تحریری آراء:**
- ۱۴۷ مولانا فضیل الرحمن بلال عثمانی مختلف دینی مقاصد کے لئے اوقاف کا قیام
- ۱۵۰ مولانا محمد ارشاد القاسمی تعلیمی، رفاہی اور دینی مقاصد کے لئے اوقاف کا قیام
- وقت کی اہم ضرورت
- ۱۵۲ مولانا سلطان احمد اصلاحی نئے اوقاف کے قیام کے لئے پیش بندی کی ضرورت
- ۱۵۵ مفتی محبوب علی وجیہی اوقاف کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے جامع منصوبہ بندی کی ضرورت
- ۱۵۷ مولانا محمد سلمان منصور پوری نئے اوقاف کے قیام سے متعلق تجاویز پر غور
- ۱۶۰ مولانا نعمت اللہ قاسمی، کھگولیا نئے اوقاف کا منصوبہ دیہات تک وسیع ہو

ابتدائیہ

شریعت کے تمام احکام کی بنیاد دو باتوں پر ہے: خالق کی اطاعت و بندگی اور مخلوق کے ساتھ محبت و حسن سلوک۔ خدا کی بندگی تو انسانیت کا اولین مقصد ہے: ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“ (سورہ ذاریات: ۵۶) لیکن اس کے ساتھ ساتھ مخلوق خداوندی کی خدمت اور اس کے ساتھ محبت اور بہتر برتاؤ کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انسان کے اچھے ہونے کے لئے حسن اخلاق ہی کو معیار بنایا ہے، بلکہ غور کریں تو عبادت اور خدمت خلق کو شریعت میں بعض موقعوں پر ایک ہی درجہ دیا گیا ہے، چنانچہ بعض کفارات میں روزے واجب ہیں اور اگر روزے نہ رکھے جاسکیں تو ہر روزہ کے بدلہ ایک دن کا کھانا کھلانا واجب ہے۔

خدمت خلق کی ایک صورت وقتی ہے اور ایک دیرپا اور دائمی ہے، یہ دوسری صورت افضل ہے جس کو حدیث میں صدقہ جاری کہا گیا ہے۔ صدقہ جاریہ کی ایک صورت وقف بھی ہے، یعنی کوئی شی کسی کار خیر کے لئے اس طرح مخصوص کی جائے کہ اصل شی باقی رہے اور اس سے حاصل ہونے والا نفع اس مد میں خرچ ہوا کرے۔ وقف کے اس طریقہ کو علماء مغرب نے اسلام کی خصوصیات اور فقہ اسلامی کے امتیازات میں شمار کیا ہے۔ وقف کی اصل رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور عمل میں موجود ہے۔ صدقہ جاریہ کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا ارشاد جیسا کہ مذکور ہوا، وقف کے مشروع ہونے کی بنیاد ہے، اسی طرح وہ حدیث جس میں آپ ﷺ نے اپنے

متروکات کے میراث ہونے کی نفی فرمائی، اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کا پورا ترکہ وقف علی اللہ تھا پھر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ہاں غیر منقول اموال میں وقف کی واضح صورتیں موجود ہیں۔

اسلامی تاریخ میں بعد کے ادوار میں مسلمانوں میں وقف کا عام ذوق پیدا ہوا اور جہاں لوگوں نے مسجدوں، مدرسوں اور قبرستانوں پر وقف کیا، وہیں رفاہی کاموں پر بھی کثرت سے وقف کیا گیا، اس میں یتیموں، بیماروں، مسافروں، بیواؤں اور بوڑھوں پر وقف شامل ہے، یہاں تک کہ مریضوں کے تیمارداروں پر بھی بعض لوگوں نے وقف کیا اور پرندوں کی غذاؤں کے لئے بھی وقف کیا گیا۔

اس وقت مسلمان جس معاشی زبوں حالی اور تعلیمی پس ماندگی سے دوچار ہیں، اوقاف کے ذریعہ ان کو بہتر طور پر دور کیا جاسکتا ہے، اس کے لئے ایک طرف موجودہ اوقاف کو نفع آور بنانے اور ان کا صحیح استعمال کرنے کی ضرورت ہے اور دوسری طرف تعلیمی اور رفاہی اغراض کے لئے نئے اوقاف قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ خود ہمارے ملک ہندوستان میں اگر مسلمانوں کے اوقاف بے جا تصرف و تغلب سے آزاد ہو جائیں اور نیک نیتی کے ساتھ ان کو نفع آور بنایا جائے اور تعمیری مقاصد میں ان کا استعمال کیا جائے تو بہت سی دشواریاں حل ہو سکتی ہیں اور مسلمانوں کی نئی نسل کی تعلیم و تربیت، بیواؤں، یتیموں اور دوسرے بے سہارا لوگوں کی مدد کا بڑا کام انجام پاسکتا ہے۔

اسی لئے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) شروع سے اوقاف کے مسائل پر خصوصی توجہ دیتی رہی ہے۔ اکیڈمی کے بانی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ نے اس موضوع پر بعض اہم مقالات سپرد قلم فرمائے ہیں، جو اکیڈمی کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔ اکیڈمی نے

اپنے دسویں فقہی سمینار منعقدہ ممبئی بتاریخ ۲۵ تا ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں اوقاف کے مسائل کو خصوصی اہمیت کے ساتھ بحث کا موضوع بنایا تھا، جس میں اوقاف سے متعلق موجودہ دور میں پیش آنے والے مشکل مسائل اور ہندوستان کے پس منظر میں پیدا ہونے والی مختلف پیچیدگیوں کو سامنے رکھتے ہوئے بڑے اہم سوالات مرتب کئے گئے تھے۔ اس سمینار میں ملک و بیرون ملک کے موقر علماء شریک ہوئے اور انہوں نے ایسی تجاویز منظور کیں جن میں موجودہ مشکلات کا حل بھی ہے، وقف کے سلسلہ میں شریعت کی بنیادی تعلیمات اور اصول و مقاصد کی پوری پوری رعایت بھی اور توازن و اعتدال بھی۔ ان مقالات کا مجموعہ اردو میں اور ان میں سے منتخب مقالات اور علماء ہند کی آراء کا خلاصہ عربی میں اکیڈمی کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔

چودھویں فقہی سمینار منعقدہ حیدرآباد میں وقف کے مسئلہ کو ایک اور پہلو سے زیر بحث لایا گیا اور وہ یہ کہ موجودہ دور میں مسلمانان ہند کے مسائل کے حل کے لئے کس طرح کے اوقاف قائم ہونے چاہئیں؟ اس موضوع پر جو تحریریں سمینار میں آئیں، وہ موجودہ حالات کے پس منظر میں بڑی ہی چشم کشا ہیں۔ ان ہی مقالات اور مختصر تحریروں کا یہ مجموعہ آپ کے سامنے پیش ہے۔ اس میں زیادہ تر تحریریں تو وقف کی ترغیب اور موجودہ حالات میں وقف کی ضروری اور اہم جہات کی تعیین پر مشتمل ہیں اور وزارت اوقاف حکومت کویت سے وابستہ ایک عرب فاضل ڈاکٹر عبدالغفار شریف کی گفتگو فقہی پہلو پر ہے۔ بہر حال یہ مجموعہ اپنے موضوع پر بڑی اہمیت کا حامل ہے اور گویا وقف سے متعلق مجلہ کا تکملہ ہے جو اس سے پہلے اکیڈمی کی جانب سے اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔

قارئین کو عزیر محمد ہشام الحق ندوی (رفیق شعبہ علمی امور) کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ انہوں نے بہتر طور پر اس مجموعہ کی ترتیب کی خدمت انجام دی ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس

کوشش کو قبول فرمائے اور اس سے مسلمانوں کو اوقاف کو نفع آ اور بنانے اور نئے اوقاف قائم کرنے کے سلسلے میں روشنی ملے۔ واللہ ہوا الموفق۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(جنرل سکرٹری)

۲ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ

۲۰ فروری ۲۰۰۷ء

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات

پہلا باب

سوالنامے اور فیصلے

امکیت کا فیصلہ:

وقف

وقف کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، اور وقف کے ذریعہ بڑے بڑے تہذیبی و تمدنی، فلاحی اور رفاہی کارنامے انجام دیئے گئے ہیں، اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمینار نے درج ذیل امور طے کئے ہیں:

۱- ہندوستان میں مسلم اوقاف کو سرکاری و غیر سرکاری ناجائز قبضوں سے واگذار کرنے، اور وقف کی جائیداد کو جدید امکانات اور شرعی ضابطوں کی رعایت کرتے ہوئے بڑھانے، نفع آور بنانے اور ان کی سرمایہ کاری کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲- بیواؤں، مطلقہ عورتوں، یتیموں، بیماروں اور دیگر ضرورت مند لوگوں کی حاجت روائی کے لئے نئے اوقاف کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۳- ضرورت مند طلبہ کی اعانت اور ان کے لئے اسکالرشپ وغیرہ کی فراہمی کے لئے ”فند برائے تعلیمی امور“ قائم کیا جائے۔

۴- دینی مراکز اور اسلامی مدارس کی تقویت کے لئے ”فند برائے دینی مراکز“ کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۵- ان تمام شعبوں کے لئے اہل خیر حضرات کو چاہئے کہ دل کھول کر حصہ لیں جو انشاء اللہ ان کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

سوالنامہ:

سماج کے سنگین مسائل کے حل کے لئے اوقاف کا قیام

اسلام دین فطرت ہے، اس کی تعلیمات دنیا و آخرت میں انسان کی کامیابی کی ضامن ہیں، عقائد و عبادات سے لے کر اخلاق و معاملات ہر میدان میں اسلام کے احکام و تعلیمات اتنی جامع اور مکمل ہیں کہ ان کو اختیار کرنے اور ان پر عمل آوری سے نہ صرف آخرت کی فلاح یقینی بن جاتی ہے بلکہ دنیا کے مختلف میدانوں میں انسان کی زندگی خوشگوار، پر امن اور اطمینان بخش ہو جاتی ہے۔ یہ بات محتاج بیان نہیں کہ معاشیات اور اقتصادیات کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات اتنی جامع اور مکمل ہیں کہ ان پر عمل پیرا ہونے سے سماج میں معاشی توازن پیدا ہوتا ہے اور ہر طبقہ کی معاشی ضروریات حسن و خوبی کے ساتھ پوری ہوتی ہیں۔

اسلام نے سماج کے نادار اور بے سہارا طبقوں اور افراد کو اوپر اٹھانے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایسی بہت سی تعلیمات دی ہیں جن کی انفرادی اور اجتماعی سطح پر عمل آوری سے کمزور طبقات و افراد کو سہارا ملتا ہے، وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لائق بنتے ہیں اور ان کا نہ صرف معاشی معیار بلکہ علمی و فکری معیار بھی بلند ہوتا ہے۔

اسلام کے مالیاتی نظام میں وقف کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے، مختلف احادیث و آثار میں وقف کی اہمیت بیان کی گئی ہے، اس کی ترغیب دی گئی ہے اور اسے صدقہ جاریہ قرار دیا گیا ہے، اسلامی تاریخ کے ہر دور میں غریبوں اور مسکینوں کی ضروریات کو پورا کرنے، انہیں معاشی طور پر خود کفیل بنانے، مسلمانوں کو علوم و فنون سے آراستہ کرنے، مریضوں، پریشان حالوں

کی حاجت روائی کرنے اور اصحاب علم و فضل کا معاشی تکفل کرنے میں اسلامی اوقاف کا بہت اہم رول رہا ہے، ہر دور میں باتوفیق اہل ثروت مسلمان مختلف دینی، علمی، سماجی و وفاہی مقاصد کے لئے چھوٹے بڑے اوقاف قائم کرتے رہے اور ان اوقاف کے ذریعہ بہت سے وہ کام انجام پاتے رہے جنہیں دور حاضر میں وزارت تعلیم، وزارت صحت وغیرہ انجام دیا کرتی ہیں۔

اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ قدیم اوقاف کی حفاظت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں نئے اوقاف قائم کرنے کا رجحان پیدا کیا جائے بلکہ اس رجحان کو ہمیز کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ وقف کی یہ سنت (جس میں مسلم سماج بلکہ انسانی سماج کے لئے بے شمار فوائد ہیں) مسلسل فروغ و ترقی پاتی رہے۔ دور حاضر میں ایسے مختلف میدان ملکی و عالمی سطح پر ظاہر ہو چکے ہیں جن کے لئے اوقاف قائم کرنے اور ان کا مستحکم نظام بنانے کی ضرورت ہے۔ اس احساس کے ساتھ درج ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں، تاکہ ان کے بارے میں آپ کے مطالعہ و فکر سے استفادہ کیا جائے اور ان کی روشنی میں کچھ ایسی تجاویز چودہویں فقہی سمینار میں پیش کی جاسکیں جو اوقاف کے سلسلہ میں امت کی بہترین رہنمائی کر سکیں۔

۱۔ مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

موجودہ دور میں ایک اہم مسئلہ مطلقہ اور بیوہ عورتوں کا ہے جو معاشی طور پر انتہائی کمزور اور بے سہارا ہوتی ہیں، اسلام کا نظام نفقہ مسلم سماج میں رائج نہ ہونے کی وجہ سے وہ اعزہ و اقرباء بھی جن پر یہ معاشی کفالت لازم ہے اور وہ معاشی طور پر ایسی عورتوں کی کفالت کر سکتے ہیں، اپنی ذمہ داری کو ادا نہیں کرتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب خاندانوں ہی کی نہیں بلکہ بعض اوقات معزز اصحاب ثروت خاندانوں کی مطلقہ اور بیوہ عورتیں معاشی بد حالی کا شکار ہوتی ہیں، ان کی اس بد حالی سے فائدہ اٹھا کر انہیں معاشی خوشحالی کا سنہرا خواب دکھا کر غلط راہوں پر ڈالا جاتا ہے، بعض اوقات آزادی نسواں کا نعرہ بلند کرنے والی بعض تنظیمیں انہیں اچک لیتی ہیں اور ان کے ذریعہ ملکی

عدالتوں اور قومی پریس میں اسلامی تعلیمات کو ہدف بناتی ہیں، کیا ان حالات میں مناسب نہ ہوگا کہ ملک کے مختلف شہروں اور علاقوں میں ایسے اوقاف قائم کئے جائیں جن کے ذریعہ ایسی فقرو فاقہ سے دوچار پریشان حال عورتوں کا باعزت معاشی تکفل ہو اور انہیں دردر کی ٹھوکریں کھانے سے بچایا جاسکے۔

۲۔ تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

مسلمانوں میں تعلیم کا تناسب دوسری قوموں سے بہت کم ہے، جہالت اور ناخواندگی کی وجہ سے مسلمان قسم قسم کی سماجی خرابیوں میں مبتلا ہیں، اس بات کا عام احساس ہے کہ مسلمانوں میں تعلیم کا فیصد بہت کم اور تعلیم کا معیار دوسری اقوام سے کافی پست ہے، دینی تعلیم سے ہمارے بہت سے بچے محروم رہتے ہیں اور عصری تعلیم کے میدان میں بھی ان کا معیار کافی پست ہے، حالانکہ اللہ کی دی ہوئی ذہانت اور علمی و فکری صلاحیتیں اس امت کے بچوں اور نوجوانوں میں دوسری اقوام سے ہرگز کم نہیں ہیں، عام طریقہ سے معاشی بد حالی کی وجہ سے ہمارے ذہین ترین بچے جو علم کے مختلف میدانوں میں نئے اکتشافات کر سکتے ہیں، زیور تعلیم سے آراستہ نہیں ہو پاتے، اس تناظر میں اس بات کا احساس بار بار ہوتا ہے کہ کاش تعلیمی مقاصد کے لئے ہمارے پاس منظم اوقاف ہوتے اور ان کا بہترین نظم و نسق ہوتا تا کہ ہمارا کوئی بچہ معاشی کمزوری کی وجہ سے دین و دنیا کی تعلیم سے محروم نہ رہے اور اپنے ذہین ترین بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے ہم ایسے تمام وسائل فراہم کر سکیں جن کی مدد سے وہ مقابلہ کی اس دوڑ میں دوسری اقوام سے بازی لے جاسکیں، اس پس منظر میں آپ سے گزارش ہے کہ تعلیمی اوقاف کی اہمیت اور اس کی مختلف شکلوں کے بارے میں آپ کے ذہن میں جو باتیں ہوں وہ تحریر فرمائیں۔

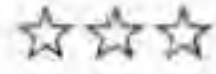
۳۔ مریضوں کے لئے اوقاف

دور حاضر میں انسانی آمدنی کا ایک بڑا حصہ علاج معالجہ پر خرچ ہو رہا ہے، دن بدن علاج مہنگا ہوتا جا رہا ہے، خوش حال لوگوں کے لئے بھی علاج معالجہ کے اخراجات ادا کرنا مشکل ہو رہا ہے، خاص طور سے بعض انتہائی مہلک اور سنگین امراض (مثلاً کینسر، ایڈز وغیرہ) کے دوا علاج کے مصارف غیر معمولی ہوتے ہیں، جن کا علاج سماج کے متوسط طبقہ کے لئے بھی ممکن نہیں ہوتا، ہمارے سماج میں ایسے مریضوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے جو اپنے دوا علاج سے عاجز ہوتے ہیں، اسلام دین رحمت ہے، انسانوں کی خدمت اور راحت رسانی اس کی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے، مسلم عہد حکومت میں مریضوں کے لئے بھی اوقاف قائم کئے جاتے تھے، اب اس میں بہت کمی آگئی ہے، اس بات کی ضرورت کا شدت سے احساس عام طور پر کیا جا رہا ہے کہ ایسے مریضوں خصوصاً کینسر وغیرہ جیسے سنگین امراض میں مبتلا مریضوں کے لئے جو علاج معالجہ کے مصارف اٹھانے پر قادر نہیں ہیں، مختلف اوقاف قائم کئے جائیں، ان کے تحت اسپتال، طبی مراکز وغیرہ قائم ہوں جہاں علاج معالجہ کا اطمینان بخش نظم ہو، طب و صحت کے میدان میں اوقاف قائم کرنے اور ان کا نظم و نسق چلانے کے بارے میں کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں جو تجاویز آپ کے ذہن میں ہوں انہیں تحریر فرمائیں۔

۴۔ تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے اوقاف

اوپر ذکر کردہ مقاصد کے علاوہ اور مختلف مقاصد مثلاً تبلیغ و دعوت، صحافت و ابلاغ، دفاع عن الدین وغیرہ کے لئے مختلف قسم کے اوقاف قائم کئے جاسکتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ دور حاضر کے حالات اور تقاضوں کی روشنی میں جن مقاصد اور جن کاموں کے لئے اوقاف قائم کئے جانے کی ضرورت ہے اور ان اوقاف کو زیادہ سے زیادہ مفید اور ثمر آور بنانے کے لئے جو

طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں ان کی نشاندہی کی جائے اور اس سلسلہ میں اپنی قیمتی تحقیقات و آراء سے استفادہ کا موقع دیا جائے۔



جدید فقہی تحقیقات

دوسرا باب

وقف سے متعلق تمہیدی نکات

اوقاف سے متعلق شرعی احکام میں اجتہاد کی ضرورت

ڈاکٹر محمد عبدالغفار شریف

فلاسفہ کہتے ہیں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ یہ انسانی معاشرہ کا دستور ہے، خواہ اس میں مسلمان رہتے ہوں یا غیر مسلم۔ یہی ضرورت علماء کو اجتہاد پر آمادہ کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ باغیوں اور رہزنوں وغیرہ سے متعلق بیش تر احکام صحابہ کرام کے درمیان ہونے والی جنگوں یا ان کے اور خوارج کے درمیان ہونے والی جنگوں کے نتیجے میں وجود میں آئے۔ آپ تمام سترات کو معلوم ہے کہ جب امام شافعی عراق سے مصر تشریف لے گئے تو ان کی بہت سی آراء تبدیل ہو گئیں۔ دلائل اور اصول تو پرانے ہی تھے البتہ بعض ان نئے واقعات، نئے عرفوں اور ان تہذیبی امور کی وجہ سے جو حجاز اور عراق میں انہیں پیش نہیں آئے تھے اور مصر میں ان کو ان سے سابقہ پیش آیا، انہوں نے بہت سے دلائل پر از سر نو غور کیا اور ان کے سامنے بہت سے ایسے دروازے کھلے جو اب تک نہیں کھلے تھے، ان ہی میں سے احکام وقف میں واقع ہونے والا تغیر بھی ہے، اسی لئے وقف کے مؤبد اور موقت ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور کی رائے یہی ہے کہ وقف مؤبد ہوگا، امام اعظم کے نزدیک وقف موقت بھی ہو سکتا ہے البتہ انہوں نے بعض مسائل مثلاً مساجد

اور مقابر وغیرہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، اسی طرح اشیاء منقولہ، نقد اور منافع کے وقف میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے واقع ہوا ہے۔ امام مالک کے نزدیک جمہور فقہاء کے برعکس کوئی چیز کرایہ پر لے کر اس کی منفعت وقف کی جاسکتی ہے۔ ان کے نزدیک وقف کے لئے عین کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔

سلطنت عثمانیہ کے آخری دور میں، اسی طرح مصر کے مملوک کی عہد میں جب حکومت کمزور ہوئی تو بہت سے اوقاف ضائع ہو گئے، ان اوقاف کے ذریعہ کسی زمانہ میں مدارس اور شفا خانے اور بہت سے معاشی، سماجی، صحتی اور تعلیمی امور انجام پاتے تھے۔ مسلمان اتنے تہذیب یافتہ تھے کہ انہوں نے جانوروں پر بھی جائیدادیں وقف کی تھیں۔ دمشق میں اس وقت جو میونسپل اسٹیڈیم ہے وہ کسی زمانہ میں مجاہدین کے بیمار اور بوڑھے گھوڑوں پر وقف تھا۔ اسے ”أرض المرجة“ کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد کے دور میں مسلمانوں کے اوقاف ضائع ہو گئے، اس کے اسباب کا علم مجھے ونشریسی کی کتاب ”المعیار المعرب فی فتاویٰ علماء افریقیۃ والمغرب“ کے ذریعہ ہوا۔ یہاں افریقہ سے مراد تیونس ہے، اسے افریقہ اس وجہ سے کہتے تھے کہ وہ افریقہ کا باب الداخلہ تھا۔ اندلس کے تاجر پورے یورپ اور افریقہ میں اپنے تجارتی سامان برآمد کرتے تھے، یہ تجارتی سامان بندرگاہوں پر آتے تھے۔ اس زمانہ میں ان پر کسٹم ڈیوٹیز لگائی جاتی تھیں، کبھی کبھی یہ ٹیکس سامان کی قیمت سے بڑھ جاتے تھے، تاجروں نے اس سلسلہ میں غور کیا اور اپنے سردار شاہ بندر سے مشورہ کیا، اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ ایک فنڈ قائم کیا جائے اور اس کے ذمہ دار شاہ بندر ہوں گے۔ ہر تاجر اس میں ایک متعین فیس جمع کرے گا۔ اگر کوئی تاجر کسی حادثہ سے دوچار ہو جائے یا بھاری ٹیکسوں کی زد میں آجائے تو اس ٹیکس کی ادائیگی اس فنڈ سے کی جائے گی۔ اس فنڈ میں ترقی ہوئی اور اب انہوں نے اس کے مال میں سرمایہ کاری شروع کر دی۔ اس فنڈ میں سرمایہ کاری کرنے والوں نے اندلس کے علماء سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ یہ

وقف ہے۔ اس طرح کمرشیل انشورنس اور سرمایہ کاری انشورنس کا آغاز ہمارے آباء و اجداد نے کیا، یورپ بہت بعد میں اس سے واقف ہوا، حالیہ دور میں یہی چیز ہمارے پاس دوبارہ مغرب سے آئی۔

سلطنت عثمانیہ کے زوال کے نتیجے میں اوقاف کے زوال پذیر ہونے کی وجہ سے علماء نے اوقاف کے سلسلہ میں اجتہاد کے ذریعہ نئے احکام مستنبط کئے جیسے احکام اور اجازتیں وغیرہ عقود کے احکام۔ وقف کے بیش تر احکام اجتہادی ہیں جو مصالح اور قواعد پر مبنی ہیں۔ کویت میں جب امانت عامہ برائے اوقاف کا قیام ہوا تو اس وقت اوقاف کی صورتحال یہ تھی کہ ایک طویل عرصہ تک کئی کئی سال کی آمدنی بمشکل چار فیصد ہو پاتی تھی یعنی سالانہ آمدنی صفر تھی، اوقاف کی عمارتیں تھیں، ان کا کرایہ آتا تھا اور اپنے شرعی مصارف میں خرچ ہو جاتا تھا، عمارتوں کے قدیم ہونے کی وجہ سے کرایہ دار بھی ان کو کرایہ پر لینے کی طرف راغب نہیں ہوتے تھے، وزارت اوقاف کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ ان عمارتوں کو از سر نو تعمیر کرائی اور ان کو ترقی دیتی، ایسی صورت میں عالم اسلام کے دوسرے حصوں کی طرح ہم بھی ان عمارتوں کو نہایت معمولی کرایہ پر لگا دیتے تھے، حکمت مؤمن کا گمشدہ مال ہے۔ ہمارے دوست امریکہ اور برطانیہ گئے، وہاں انہوں نے ٹرسٹ کا نظام دیکھا، ٹرسٹ کا نظام وقف سے ملتا جلتا ہے، یہ اسلامی نظام سے ماخوذ ہے، یہ ٹرسٹ رفاہی ہوتا ہے، اس میں رقوم جمع کی جاتی ہیں اور تمام شعبوں میں ان کی سرمایہ کاری ہوتی ہے، مغرب کی بڑی بڑی یونیورسٹیاں کیمبرج اور ہارورڈ وغیرہ سب وقف ہیں، البتہ انہیں تجارتی ذہن اور سرمایہ کاری کے نقطہ نظر سے چلایا جاتا ہے، اس میں غریب طلبہ کی امداد کا بھی فنڈ ہے۔ ان اوقاف کی آمدنیاں ان ہی جامعات میں صرف ہوتی ہیں، ہمارے دوستوں نے اس مغربی تجربہ سے فائدہ اٹھایا، وہ ملیشیا گئے، وہاں انہوں نے نہایت ترقی یافتہ پروجیکٹ دیکھا۔ اس کا نام ہے: ”تابونک جی“ یہ ملیشیائی باشندوں کا ادارہ ہے، ملیشیا کے مسلمان باشندے انتہائی

مفلوک الحال تھے، تجارت چینیوں کے ہاتھ میں تھی اور صنعت ہندوستانیوں کے ہاتھ میں جن میں سے بیشتر غیر مسلم تھے، مسلمان یا تو حاکم تھے یا مزدور، ایک چھوٹا سا طبقہ اقتدار میں تھا اور بیش تر لوگ چینیوں کے ہاں مزدوری کرنے والے تھے، یہ جج کی آرزو رکھتے تھے مگر ان کے پاس پیسے نہیں ہوتے تھے، اس صورت میں انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ ہم ہر اس شخص سے جو جج کی آرزو رکھتا ہو ماہانہ یا اس کی استطاعت کے مطابق ایک متعین قسط جمع کرائیں، پھر ان رقوم کو اکٹھا کر کے ایک فنڈ قائم کریں اور ان سے سرمایہ کاری کریں پھر ہر سال دس افراد کو، بیس افراد کو، سو آدمیوں کو جج کرائیں، جس کا نمبر آجائے وہ ان پیسوں سے جج کرے اور بقیہ پیسے بعد والوں کے لئے وقف رہیں۔

آج یہ ادارہ ”تابونک ججی“ ملیشیا کا سب سے بڑا اقتصادی ادارہ ہے، بڑی بڑی کمپنیاں چلاتا ہے، بہت سی کمپنیوں میں شراکت دار ہے، ملیشیا میں اس نے متعدد اسلامی بینک قائم کئے ہیں اور اپنے ملک کی ایک قابل لحاظ اقتصادی قوت بن کر ابھرا ہے۔ جو شخص بھی کوئی اسلامی کمپنی قائم کرنا چاہتا ہے وہ ”تابونک ججی“ کو اپنا شراکت دار بنانا چاہتا ہے۔

یہ سوچ کویت منتقل ہوئی، جب دوستوں نے ان دو تجربات ایک اسلامی اور ایک مغربی کی روشنی میں اموال وقف کو فروغ دینے کے لئے ایک ادارہ قائم کرنے پر غور کیا تو انہوں نے دیکھا کہ وقف کے بیش تر اموال تعمیر نو اور استبدال کے متقاضی ہیں۔ ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ فقہاء دو انتہاؤں پر ہیں: ایک انتہا یہ ہے کہ وقف کا استبدال کسی حال میں جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر وقف کوئی عمارت ہو اور وہ منہدم ہو جائے، قابل استعمال نہ رہے تو اسے بیچنا جائز نہ ہوگا۔ وہ اسی حال میں چھوڑ دی جائے گی، نہیں معلوم کہ کب اور کون اس کی از سر نو تعمیر کرے گا۔ اس رائے کی وجہ سے بہت سے اوقاف ضائع ہو گئے۔ اس کے برعکس بعض فقہاء (حنابلہ) کی رائے یہ ہے کہ اگر وقف کی کوئی چیز یہاں تک کہ مسجد بھی قابل استفادہ نہ رہ جائے یا منہدم ہو جائے تو اسے بیچ

کر اس کی قیمت کسی دوسری جگہ میں موجود کسی مسجد میں صرف کی جاسکتی ہے، بلکہ بعض علماء حنابلہ جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قاضی الجبل کی رائے یہ ہے کہ ایک کم فائدہ وقف کو دوسرے زیادہ نفع والے اور بہتر وقف سے بدلنا بھی جائز ہے، اس بات کا تعین کہ زیادہ نفع کس وقف میں ہے یا تو قاضی کے مشورہ سے وقف کا متولی کرے گا یا یہ کچھ شرائط کے ساتھ مشروط ہوگا۔ استبدال کا جواز علی الاطلاق نہیں ہے ورنہ وقف ایک کھلواڑ بن جائے گا۔

اس سلسلہ میں مناسب طریقہ کار اختیار نہ کرنے ہی کی وجہ سے اردن، فلسطین اور ہندوستان کے بہت سے اوقاف ضائع ہو گئے، فلسطین کے بہت سے مقدسات کی دیکھ ریکھ کے لئے وہاں کی وزارت اوقاف اور اسلامی بینک کے درمیان تعاون کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس مقصد کے لئے مقارضہ یا مضاربہ بانڈز کا طریقہ اختیار کیا گیا جو اصلاً اگرچہ تجارت کے ساتھ خاص ہے مگر بہت سے فقہی اجتہادات کی رو سے غیر تجارتی معاملات میں بھی درست ہے۔

ہم لوگ ہمیشہ اپنی اکیڈمیوں، اداروں، دارالافتاءات یہاں تک کہ اسلامی کمپنیوں کے شرعی بورڈس میں کسی ایک مسلک کی پابندی نہیں کرتے، ہم جملہ اسلامی مسالک سے استفادہ کرتے ہیں اور ان کے اجتہادات کے دائرہ سے نہیں نکلتے، ہم ان مسالک اور اجتہادات سے زمان و مکان کے مناسب حال آراء کو لے لیتے ہیں، بشرطیکہ وہ نص صریح سے متصادم نہ ہوں، نص صریح میں تاویل کا امکان نہیں ہوتا اور ایسی نص کبھی بھی کسی اصولی یا فقہی قاعدہ سے متصادم نہیں ہو سکتی ہے۔

الحمد للہ ہم نے محسوس کیا کہ اس طریق کار سے اوقاف کو بہت ترقی دی جاسکتی ہے، ہندوستان، فلسطین اور اردن کے بہت سے وہ اوقاف جو تعمیر نو یا سرمایہ کاری کے متقاضی ہیں، آئی ڈی بی وغیرہ کے تعاون سے ان کے مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے مقارضہ بانڈز کی صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے۔ ایسی صورت میں وزارت اوقاف یا اوقاف مینجمنٹ کی حیثیت

مضارب کی ہوگی، یہی ادارہ لوگوں سے مال اکٹھا کرے گا اور اس کے سلسلہ میں بانڈز جاری کرے گا، یہ بانڈز ایسے ہی ہوں گے جیسے کمپنی کے شیئرز۔ اگر نقد کی صورت میں ہوں گے تو ان پر بیع صرف کے احکام منطبق ہوں گے اور اگر دیون کی صورت میں ہوں تو ان میں دین کے احکام جاری ہوں گے۔ اگر نقد اور دیون کا مجموعہ ہوں گے تو حکم میں اعتبار غالب حصہ کا ہوگا۔ ان اموال سے ہم اوقاف کو فروغ دے سکتے ہیں، ایسی آمدنیوں کا ایک حصہ بانڈز کے مالکان کو ملے گا۔ ایک وقت ایسا بھی آسکتا ہے کہ بانڈز کے مالکان اپنے بانڈز فروخت کرنا چاہیں اور وقف انہیں خرید لے۔ اس طرح وقف کے حصص بڑھ جائیں گے اور ان سے مزید سرمایہ کاری کی جاسکے گی۔ وقت کے ساتھ ساتھ وقف کی اصل پوزیشن بحال ہو جائے گی اور شرکاء اپنے اپنے منافع لے کر سرمایہ کاری سے علاحدہ ہونا چاہیں تو علاحدہ ہو سکیں گے۔

اس وقت وزارت اوقاف کو پتہ ہے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اس کے پاس تقریباً ایک سو ساٹھ ملین کویتی دینار کے برابر اثاثہ جات اور نقد رقوم ہیں۔ کوئی بھی شخص اگر کوئی اسلامی کمپنی قائم کرنا چاہتا ہے تو اس کو شراکت کی دعوت دیتا ہے۔ ہم کمپنیوں میں شامل ہوتے ہیں، کبھی کبھی ہم مینجمنٹ میں بھی شریک ہوتے ہیں، کمپنیاں قائم کرتے ہیں اور دوسری کمپنیوں پر اپنی شرطیں عائد کرنے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں، اس طرح وقف ان کمپنیوں میں سب سے مضبوط شراکت دار ہوتا ہے۔ اس سے وقف کو ایک ایسی آمدنی حاصل ہوتی ہے جو عمارت کے علاوہ ہوتی ہے، الحمد للہ ہم نے اس سلسلے میں علماء اور فقہی اکیڈمیوں کے فتاویٰ حاصل کر لئے ہیں کہ اگر کسی وقف کی آمدنی اس کی ضروریات سے زائد ہو تو اسے یوں ہی چھوڑنے کے بجائے اس سے سرمایہ کاری کی جائے، ان کو یوں ہی رکھ چھوڑنے سے ان کی قوت خرید میں کمی آتی جائے گی اور وقف کا نقصان ہوگا۔ ہم ان رقوم سے کمپنیوں کے شیئرز خرید لیں گے۔ کیونکہ مرکزی بینک کی نظر میں کمپنیوں کے شیئرز نقد رقوم کے مثل ہیں۔ ہم اسے کسی وقت بھی فروخت کر سکتے ہیں اور ان کی اچھی سے اچھی

قیمت ہمیں مل سکتی ہے، اس طریقہ کار سے نہ صرف اصل سرمایہ آمدنی میں اضافہ کا باعث ہے بلکہ ایک آمدنی خود دوسری آمدنی کے حصول کا قوی ذریعہ ہے۔ اس طرح اللہ کا شکر ہے کہ اوقاف کی قدرت و قیمت میں اضافہ ہوا ہے۔

اوقاف کو فروغ دینے کے لئے وسیع تناظر میں نئے طریقوں پر ہمیں غور و فکر کرتے رہنا چاہئے۔ ہم نے عقد انقاع کا بھی استعمال کیا، اس سے اسلامی کمپنیوں کو بڑے منافع حاصل ہوئے۔ ہمیں تعصب سے بچتے ہوئے اوقاف کے نئے مسائل کو فقہی اصولوں کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس وقت نوجوانوں کی شادی کے لئے بھی اوقاف کا قیام ہونا چاہئے، اگر ہندوستان کے اوقاف کی سرمایہ کاری باہر کے ملکوں میں براہ راست ممکن نہ ہو تو مختلف رفاہی اور فلاحی تنظیموں مثلاً جمیعتہ الشیخ عبد اللہ النوری وغیرہ کے توسط سے یہ کام انجام دیا جاسکتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ تنظیمیں سرمایہ کاری کریں گی اور آپ کے منافع آپ کو ادا کریں گی۔ اگر قانون سماجی مفادات کا تحفظ نہ کر رہا ہو تو اس کے خلاف حیلہ اختیار کرنا شریعت کے منافی نہیں ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ہم اسلام کے مصالح کے لئے باہم تعاون کریں گے۔



[عربی سے ترجمہ: محمد ہشام الحق ندوی]

نئے اوقاف کا قیام: مسائل اور عملی تدابیر

مولانا بدر الحسن القاسمی، کویت

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے اوقاف کے مسائل سے خاص دلچسپی لی ہے۔ اکیڈمی کی طرف سے اس موضوع پر ایک مستقل سمینار بھی منعقد ہو چکا ہے اور اس سلسلے میں دو کتابیں بھی ایک عربی میں اور ایک اردو میں طبع کی گئی ہیں۔ اسی طرح اکیڈمی نے وقف کو فروغ دینے سے متعلق مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی مرحوم کا ایک پمفلٹ بھی شائع کیا ہے۔

یہ وقت اوقاف سے متعلق فقہی احکام پر بحث و مناقشہ کا نہیں ہے۔ اس موقع پر چونکہ اوقاف پبلک فاؤنڈیشن حکومت کویت کے عزت مآب سکریٹری جنرل ہمارے درمیان موجود ہیں اس لئے جہاں تک ممکن ہو سکے گا اوقاف کو فروغ دینے سے متعلق ہم ان کے تجربات سے استفادہ کرنا چاہیں گے۔ محترم سکریٹری جنرل اس فن کے ماہر ہیں اور اس سلسلے میں ان کی رائے کا وزن ہے۔

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار اور مشہور اسلامی سیاحوں کے سفر نامے مثلاً سفر نامہ ابن بطوطہ اور سفر نامہ ابن جبیر وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ ماضی میں مسلم دنیا کی علمی تحریک کو فروغ دینے میں اوقاف غیر معمولی طور پر موثر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں اوقاف میں اتنا تنوع رہا ہے اور دوسروں کو آرام پہنچانے کا اتنا انتظام و اہتمام رہا ہے کہ مغرب اپنی تمام تر ترقیات کے باوجود اس سطح تک نہیں آ سکا ہے۔ مساجد، مدارس اور خانقاہوں کے لئے اوقاف تو

مشہور بات ہے لیکن گمشدہ کتوں کی دیکھ رکھ کے لئے یا بلیوں کو کھانا کھلانے کے لئے یا گھروں میں کام کرنے والے ان خادموں کے لئے اوقاف جن سے کام کے دوران غلطی سے برتن ٹوٹ جائیں اور مالک کی طرف سے غصہ میں انتقامی کارروائی کا اندیشہ ہو اپنی نظیر آپ ہیں۔ اس قسم کے اوقاف ایسی مشکل گھڑی میں ان بے سہارا لوگوں کی دل داری کے لئے کئے جاتے تھے۔ مغرب عربی کے ایک عالم نے دو جلدوں میں وقف کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں اوقاف کی ان متنوع اقسام سے متعلق بہت سی معلومات جمع کر دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے مصنفین نے اسپتالوں سے متعلق کئے گئے اوقاف پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کا معیار اتنا ترقی کر گیا تھا کہ مریض کے شفا یاب ہو جانے کے بعد اس کے لئے مخصوص کھانوں کے علاوہ اس کو ذہنی و نفسیاتی آرام پہنچانے کے لئے نغموں اور ترانوں کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ اسی طرح خلیفہ مامون کے عہد کی تمام علمی درس گاہیں اوقاف کے زیر انتظام تھیں اور اس وقت کی عالم اسلام کی تمام علمی و فکری، ثقافتی اور تہذیبی ترقیات اوقاف کی مرہون منت تھیں۔ اس کے بعد کے دور میں اوقاف زوال پذیر ہو گئے۔

دور حاضر میں متولی حضرات اور حکومتوں نے ان کا ناجائز استعمال کیا۔ ہندوستان پر آٹھ سو سال تک اسلام کی حکمرانی رہی۔ یہاں کی تمام ریاستوں بشمول حیدر آباد و دہلی کے شہروں اور دیہاتوں میں اوقاف کی بڑی بڑی جائدادیں موجود ہیں۔ ان تمام پر یا تو مختلف حکومتوں نے یا ان کے متولیوں نے جو بد قسمتی سے مسلمان ہی ہیں، غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ فقہاء کی تعبیر کے مطابق ”ظلمۃ“ اور ”طغاة“ ہیں۔

سروے رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ریاستوں میں بیس فیصد، بعض میں ستر فیصد اور بعض میں پچھتر فیصد قسمی جائدادیں ہیں۔ صرف دہلی میں ایک ہزار چھیالیس اور بہار میں بائیس ہزار اسی رجسٹرڈ اوقاف ہیں لیکن وقف بورڈ کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے کہ ان کے

سالانہ اخراجات ہی پورے کر سکے۔ حکومت ان اوقاف کا استعمال کرتی ہے اور اس کے سامنے اوقاف کی جائدادیں ضائع ہو رہی ہیں۔ اصل مسئلہ ان کی بقاء و تحفظ کا ہے۔

ماضی قریب میں عالم اسلام کی حکومتوں اور اداروں نے اوقاف سے دلچسپی لینے شروع کی اور اس سلسلہ میں وزارت اوقاف کویت کو سب پر سبقت حاصل ہے۔ سب نے اس بات کی شہادت دی کہ حکومت کویت نے اپنی نوعیت کا بے نظیر تجربہ کیا۔ یہ تجربہ دوسرے ممالک کے اوقاف کے لئے سنگ میل ثابت ہوا۔ بطور خاص اس زمانہ میں اوقاف کو کیسے فروغ دیا جائے؟ ان کی تعداد میں اضافہ کے لئے کیا کیا جائے؟ اس وقت موجود اوقاف کا تحفظ کیسے کیا جائے؟ ان تمام پہلوؤں پر کویت میں اور کویت سے باہر بھی متعدد سمینار منعقد کرائے گئے، استبدال وقف کی جو بحثیں قدیم فقہاء نے کی تھیں ان سے استفادہ کیا گیا اور اوقاف کی سرمایہ کاری کے متنوع طریقے اختیار کئے گئے۔ اس وقت ہمارے پاس ان تمام مسائل سے متعلق وافر علمی ذخیرہ جس کی ہمیں بھارت میں ضرورت پڑ سکتی ہے، مدون صورت میں موجود ہے۔

اس موضوع پر ایک مستقل سمینار ہو جانے کے باوجود اس کو زیر بحث لانے کی ضرورت اسی پہلو سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہے اور ان کی ضروریات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس لحاظ سے اگر بھارت میں موجود بے پناہ اوقاف کی سرمایہ کاری کی جائے تو ان کے ذریعہ صرف مسلمانوں کی ضروریات ہی پوری نہیں ہوں گی بلکہ ایک پوری حکومت چلائی جاسکتی ہے۔

کچھ عرصہ پہلے کویت میں اوقاف کے مسائل سے متعلق ایک سمینار منعقد ہوا تھا، اس میں ”وقف مرہون“ کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا، بیش تر فقہاء مثلاً شیخ مختار السلاوی، شیخ صدیق محمد امین الضریر وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ ایسا وقف ضائع سمجھا جائے گا اور اسے ترک کر دیا جائے گا، لیکن میری رائے یہ تھی کہ اسے بھارت کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں بھارت

میں ایسی مثال موجود ہے کہ ایک وقف کی قیمت ایک ملین کویتی دینا رہے لیکن وہ کسی ہندو کے پاس ایک لاکھ یا اس سے بھی کم قیمت میں بطور رہن ہے تو کیا ایسی صورت میں ہم اسے چھوڑ دیں گے اور اس کے حصول کی کوشش نہیں کریں گے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ کویت کی طرز پر ہمارے ہاں بھی نئے اوقاف کا قیام ہو اور مختلف ”صنادیق“ (فنڈز) قائم کئے جائیں، جیسے نکلنا لوجی فنڈ، علمی فنڈ، قرآن فنڈ، بیواؤں اور یتیموں سے متعلق فنڈ، قیدیوں، گم شدہ افراد اور شہداء کے خاندانوں سے متعلق مخصوص فنڈ وغیرہ۔ جب ہماری تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ کتوں اور بلیوں وغیرہ کے لئے اوقاف ہوتے تھے تو یتیموں، بیواؤں اور بیماروں کے لئے تو ان کی اشد ضرورت ہے۔

اس سمینار میں ایسے فنڈ کے قیام سے متعلق بھی فیصلے کئے جانے کی ضرورت ہے جن کے ذریعہ اوقاف کی اراضی اور جائیدادوں کی بازیابی کے لئے قانونی چارہ جوئی کے اخراجات پورے کئے جاسکیں، خواہ یہ مقدمے قابض حکومت سے لڑنے پڑیں یا مختلف غاصب گروپوں سے۔

آخر میں میں ایک تجویز پیش کرنا چاہوں گا، خوش قسمتی سے اوقاف پبلک فاؤنڈیشن کے سکرٹری جنرل موجود ہیں، وہ تجویز یہ ہے کہ ہمارے علماء جو اپنے اپنے مدارس اور علمی مراکز کے لئے کویت اور دیگر عرب ممالک کا سفر کرتے ہیں اور تاجروں اور سرمایہ داروں کے دفاتر اور رہائش گاہوں پر لائن لگا کر کھڑے ہوتے ہیں، یہ ان کے مقام و منصب کے شایان شان نہیں ہے، کبھی کبھی بہت ہی ناخوش گوار صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح گیارہ ستمبر کے بعد علمی مراکز و مدارس کی امداد و تعاون پر بعض قسم کی پابندیاں بھی عائد کی گئی ہیں۔ امدادی کمیٹیوں اور تنظیموں پر اس سلسلے میں سخت دباؤ بھی ہے۔ ان تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے میری تجویز یہ ہے کہ اس طرح چندوں کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے متعدد مدارس و مراکز کے لئے اوقاف کا

قیام عمل میں لایا جائے۔ اس کے لئے یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ متعین رقوم بطور وقف ان مدارس کے نام پر اوقاف پبلک فاؤنڈیشن کویت یا اس طرح کے اداروں کو سرمایہ کاری کے لئے دے دی جائیں اور ان کی آمدنی سے یہ مدارس و مراکز اپنے اخراجات پورے کریں۔ اس طرح کا ایک معاہدہ مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی اپنی زیر نگرانی قائم اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) اور اوقاف پبلک فاؤنڈیشن کویت کے درمیان اور ایک معاہدہ ”المعبد العالی للقضاء والافتاء“ پٹنہ اور اوقاف پبلک فاؤنڈیشن کویت کے درمیان طے پایا تھا۔

میرا مقصد موجودہ قوانین و ضوابط کے تحت نئے اوقاف کے قیام کے لئے جدوجہد کرنے کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔



[عربی سے ترجمہ: محمد ہشام الحق ندوی]

جدید فقہی تحقیقات

تیسرا باب

وقف - ضرورت و اہمیت

وقف نقدی

ہماری موجودہ زندگی میں وقف کے کردار کا احیاء

ڈاکٹر شوقی احمد دنیاوی

اسلامی شریعت میں جن خیر کے کاموں پر ابھارا گیا ہے ان میں وقف کو ایک بڑا مقام حاصل ہے، یہ خیر و فلاح کے کاموں میں اتفاق مال کے اہم اور نمایاں طریقوں میں شمار ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو عمدہ ترین مال میں سے خرچ کرنے کا طریقہ یہی تلقین کیا کہ وہ اسے وقف کر دیں۔ اسی افضلیت کی بنا پر آپ ﷺ کے صحابہ کرام میں سے صاحب استطاعت افراد میں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جس نے وقف نہ کیا ہو (ابن قدامہ، المغنی مکتبۃ الریاض الحدیث، الریاض ۱۳۰۱ھ-۵/۵۹۹، القرانی، الذخیرۃ ۳۶۳/۳۲۳، دار الغرب الاسلامی بیروت ۱۹۹۴)، اسی طرح کوئی بھی عہد اور کوئی بھی مسلم مملکت خیر کے کاموں میں وقف کرنے والے سینکڑوں اصحاب خیر سے خالی نہیں رہی۔

وقف کی اسی اہمیت کی بنا پر معاش، اجتماع، ثقافت اور سیاست ہر پیمانہ پر اس کے زبردست اثرات پڑے، بلکہ اگر ہم یہ کہیں کہ کوئی اسلامی ادارہ اتنا طاقت ور اور اپنے مختلف میدانوں میں اثرات کے لحاظ سے اتنا موثر نہ تھا جتنا وقف اور اس میں عروج و زوال کے تمام ادوار یکساں رہے تو مبالغہ نہ ہوگا (ملاحظہ ہو: شوقی دنیاوی، أثر الوقف فی انجاز التسمیة الشاملة، محلة

المحورث الففہیة المعاصرة، الرياض، العدد (۲۳) ۱۴۱۵ھ، حلقة إدارة وتثمیر الممتلكات الوقفية، المعهد الاسلامی للبحوث والتدريب جدة ۱۴۱۰ھ، أعمال ندوة إحياء دور الوقف في الدول الإسلامية، رابطة الجامعات الإسلامية بوسعيد ۱۹۹۸، ڈاکٹر مصطفی السباعی من روائع حضارتنا، المكتب الاسلامی بیروت، أعمال ندوة الوقف، الجمعية الخيرية الإسلامية، قاهرہ، فروری ۲۰۰۰ء۔

آج کے موجودہ حالات کے پیش نظر وقف کی ضرورت زیادہ بڑھ گئی ہے، کیونکہ افراد اور اجتماعیات کی سطح پر بہت سی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل میں وقف بنیادی رول ادا کر سکتا ہے اور باوجود اس کے کہ ماضی میں وقف نے اسلامی معاشرہ کی تشکیل و ارتقاء میں بڑا کردار ادا کیا ہے آج پھر اسلامی معاشرہ کو اوپر اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ وقف اپنا کردار نبھائے۔ موجودہ صورت حال میں وقف انتہائی تنزلی، کمزوری اور اضمحلال کا شکار ہے اور شدید بحران سے گزر رہا ہے، حالانکہ اس کی ضرورت ہے اور اس میں امکانات بھی بہت ہیں۔ یہ ہماری معاصر مسلم دنیا کا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہماری موجودہ زندگی میں وقف کا اہم کردار کیا ہے؟ وہ اسباب و عوامل کیا ہیں جن کی وجہ سے وقف تنزلی اور کمزوری کا شکار ہے اور نتیجتاً اپنا مطلوبہ کردار ادا نہیں کر رہا، ان عوامل کا علاج کیسے ہوگا، ان پر غلبہ کیسے پایا جائے کہ وقف صحت مند ہو جائے اور قوت کے ساتھ اپنا فعال کردار ادا کرے؟ اس مقالہ میں ان ہی سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی جائے گی، بعض سوالوں کا جواب مجمل اور سرسری ہوگا، بعض میں صرف خاص مسائل کی طرف اشارہ کر دیا جائے گا اور بعض کا مبسوط و مفصل جواب دیا جائے گا اور بعض میں اوسط درجہ کی تفصیل دی جائے گی۔

یاد رہے کہ مقالہ کا مرکزی عنوان ”وقف نقدی“ ہے، بقیہ مسائل سے تعرض تمہید و تکمیل کے بطور ہوگا۔ مرکزی موضوع مذکورہ تینوں سوالات اور ان کے جوابات کے بیچ بھی چھایا رہے گا۔

ان تینوں سوالوں اور ان کے جواب کے پیش نظر مقالہ کا خاکہ دو قسموں پر مشتمل ہوگا:
پہلی قسم میں وقف کی موجودہ ناگفتہ بہ صورت حال اور اس کی شدید ضرورت پر۔
اور دوسری قسم میں وقف نقدی، اس کے مسائل، سرمایہ کاری، مینجمنٹ اور اثرات پر
بحث ہوگی۔

پہلی قسم: وقف کی کمزوری اور اس کی ترقی کی شدید ضرورت ۱۔ موجودہ دور میں وقف کی کمزوری

وقف موجودہ عالم اسلامی میں کس قدر کمزور پڑ گیا ہے اس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں، بہت سی چیزیں ہیں جو اس کی دلیل ہیں، مثلاً اموال موقوفہ کی مقدار اور قومی سرمایہ میں ان کے تناسب، ان کی سالانہ افزائی (اگر وہ ہے) کے اوسط، قومی آمدنی کی شرح نمو سے اس کے تقابل، اموال موقوفہ کے منافع اور آمدنی کی مقدار اور قومی آمدنی میں اس کے تناسب وغیرہ سے اس کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔

فطری بات ہے کہ اس بات کے تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ کے لئے مستقل ریسرچ ورک کی ضرورت ہے، یہاں تو ہم محض اس سلسلہ میں اشارہ ہی سے کام لیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ معاصر مسلم دنیا میں اوقاف کس قدر گراؤٹ کا شکار ہیں، بعض ممالک میں اوقاف کی بڑھوتری و ترقی سے اس کلیہ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، ان میں کویت سرفہرست ہے۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں اوقاف انحطاط کا شکار ہیں تو اس سے مراد اس فرق کو بتانا ہوتا ہے جو ماضی کے اوقاف اور آج کے اوقاف میں ہے، ظاہر ہے کہ یہ فرق بہت بڑا ہے، دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اوقاف کی موجودہ حالت سامنے آئے اور اس میں کیا تبدیلیاں ہو سکتی ہیں، یہ معلوم ہو۔

۲- موجودہ دور میں اوقاف کی تنزلی کے عوامل

ہر صورت حال کے کچھ اسباب و علل ہوتے ہیں۔ اوقاف کی اس حالت کے اسباب کیا ہیں؟ اس سوال کے جواب کے لئے مستقل ریسرچ ورک کی ضرورت ہے، کیونکہ اسباب و عوامل متعدد بھی ہیں، پیچیدہ اور پھیلے ہوئے بھی اور ان کا مزاج بھی الگ الگ ہے۔

اس مقالہ میں ان سب اسباب کو تو گننا یا نہیں جاسکتا نہ ہی اس کا یہ موضوع ہے، البتہ ان کے بعض ابھرے ہوئے پہلوؤں کی طرف اشارہ اور ان پر سرسری نظر ضرور ڈالی جائے گی۔ اگرچہ یہ اسباب و عوامل متعدد اور متنوع ہیں لیکن ان کو خاص خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

مثلاً: بہتیرے لوگوں کے نزدیک اوقاف کا فقہی پہلو مبہم ہے، جن میں خاصے پڑھے لکھے اور فقہ کے لوگ بھی ہیں، اوقاف کے فقہی احکام کے بارے میں لوگوں میں عجیب تصورات پھیلے ہوئے ہیں جو فقہی اعتبار سے زیادہ تر غلط ہیں، ان غلط فہمیوں کے باعث اوقاف میں بڑی کمزوری اور انحطاط آیا، تحلیل و تجزیہ کے بجائے بعض موٹی چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے، کیونکہ تجزیہ سے مقالہ اپنے اصل موضوع سے ہٹ جائے گا۔

(الف) یہ مشہور ہو گیا ہے کہ صرف اموال ثابتہ یعنی اراضی اور جائیدادوں ہی کا وقف ہو سکتا ہے، اموال منقولہ کا نہیں، اس بنا پر نقد روپیہ تو بدرجہ اولیٰ وقف کا محل نہیں رہتا، حالانکہ فقہی طور پر یہ رائے درست نہیں ہے، کیونکہ تمام اسلامی فقہی مسالک اس پر متفق ہیں کہ اموال ثابتہ وقف کا محل ہیں اور بہت سے فقہی مذاہب اور بعض مذاہب کے کچھ علماء اموال منقولہ کے وقف کو جائز قرار دیتے ہیں بلکہ صراحت کے ساتھ نقد کے وقف کو اور حتیٰ کہ منافع کو بھی ایک قسم کا مال قرار دے کر اس کے وقف کو جائز ٹھہراتے ہیں (الدسوقی، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/۶۷۱، دار احیاء الکتب العربیہ، القاہرہ، الرئی نبایہ المکتاج ۵/۳۶۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، النووی، روضۃ الطالبین ۳/۷۸، دار الکتب العلمیہ بیروت) نتیجہ یہ نکلا کہ جو بات معروف ہے وہ فقہ کی رو سے صحیح نہیں ہے۔

(ب) یہ بھی مشہور ہے کہ وقف ہمیشہ کے لئے ہوگا، وقتی طور پر نہیں، حالانکہ فقہی طور پر یہ بھی غلط ہے، صحیح بات یہ ہے کہ یہ رائے بعض مسالک کی ہے، جبکہ بعض دوسرے مسالک وقتی وقف کی اجازت دیتے ہیں (ایضاً الدسوقی ۸۷/۳، ابن شاش، عقد الجواہر الشمیۃ ۳/۳۷، دار الغرب الاسلامی، بیروت ۱۴۱۵ھ، ابن قدامہ، المغنی ۵/۶۲۳، الماوردی ۹/۳۸۱، الحاوی الکبیر، المکتبۃ التجاریہ، مکتبۃ المکرّم ۱۳۱۳ھ، احمد بن عیسیٰ المرئسی، عیون الاثر بار ۳۶۰، دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۹۷۵ء)۔

(ج) یہ بھی عام ہے کہ وقف لزوماً ہی ہوتا ہے، جوازاً نہیں، اسی لئے اس سے رجوع، یا اس کو معلق بنانا یا اس میں کوئی شرط وغیرہ لگانا جائز نہ ہوگا حالانکہ فقہ میں ان سب کی گنجائش موجود ہے (السرخی، المبسوط ۱۲/۲۷، دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۸۹ء، اور اس کے بعد کے صفحات، ابن عابدین، رد المحتار ۳/۳۳۸، دار الفکر بیروت، ۱۹۷۹ء، الدسوقی، حوالہ سابق، ۸۹/۳، القرانی، الذخیرۃ ۶/۳۲۶، دار الغرب الاسلامی، بیروت ۱۹۹۳ء، المہدی المرئسی، عیون الاثر بار، حوالہ سابق ۳۶۱)۔

(د) یہ بات بھی مشہور ہے کہ وقف ایک انفرادی عمل ہے، ایک شخص ایک موقوف علیہ کے لئے وقف کر سکتا ہے، حالانکہ فقہی طور پر جو بات صحیح ہے، وہ یہ ہے کہ واقف ایک بھی ہو سکتا ہے اور کئی بھی، اسی طرح موقوف علیہ ایک بھی ہو سکتا ہے اور کئی بھی، مختلف مذاہب کی متعدد کتابیں اس بات کو صراحت سے بیان کرتی ہیں (السرخی، المبسوط، حوالہ سابق ۱۲/۳۸، ابن قدامہ، المغنی ۵/۶۳۳، بھون، المدوۃ ۶/۹۹، دار صادر، بیروت)۔

(ه) اسی طرح یہ بھی عام ہے کہ وقف میں اموال موقوفہ یا موقوف علیہ جہات کے سلسلہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، حالانکہ بہت سے فقہاء اس کی اجازت دیتے ہیں کہ حالات کے لحاظ سے اوقاف کی حفاظت کی غرض سے اور وقف کے مقاصد کے لحاظ سے اس کی گنجائش موجود ہے بلکہ بعض مذاہب میں تو بہت ہی وسعت پائی جاتی ہے (المہدی المرئسی، حوالہ سابق ۳۶۰، السرخی، المبسوط ۱۲/۳۸۱، ابن عابدین، حوالہ سابق ۳/۳۸۴)۔

(و) اسی طرح یہ بھی معروف ہے کہ واقف اپنے وقف سے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں

اٹھا سکتا، حالانکہ فقہ اس بات کی اجازت دیتی ہے (عبدالرحمن بن قاسم، مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، الریاض ۱۳۹۸، ۳۱/۲۱۲، اور اس کے بعد کے صفحات، ابن قدامہ، حوالہ سابق ۵/۶۳۳، ابن بیہ، اثر المصلح فی الوقف، مجلۃ المجوٹ الفقہیہ المعاصرہ، الریاض شمارہ ۱۳، ۱۴۲۱ھ، ابن عابدین، حوالہ سابق ۲/۳۸۴ اور اس کے بعد کے صفحات)۔

(ز) یہ بھی مشہور ہے کہ واقف کی شرطیں جو بھی ہوں ان کا احترام کیا جائے گا، اگر وہ معصیت پر مبنی نہ ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ کسی قاری کے کانوں میں یہ عبارت پڑی یا نہیں کہ ”شرط الواقف کنص الشارع“ حالانکہ فقہی طور پر صحیح یہ ہے کہ واقف کی شرطیں صحیح ہوں گی بشرطیکہ ایک طرف تو وہ شرع کے قواعد کے مطابق ہوں اور دوسری طرف شریعت کے مقاصد سے بھی ہم آہنگ ہوں، ورنہ ان کا اعتبار نہ ہوگا، فقہ میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن میں واقفین کی شرطیں نہ صرف ختم کی جاتی ہیں بلکہ ان کو کالعدم کرنا واجب ہو جاتا ہے (محمد ابو زہرہ، محاضرات فی الوقف، دار الفکر العربی، قاہرہ ۱۹۷۱ء، ۱۳۶/۱۳۶ اور اس کے بعد کے صفحات، ابن عابدین، حوالہ سابق ۲/۳۸۷، الخطاب، مواہب الجلیل ۵/۳۶، ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ ۳۱/۴۳ اور اس کے بعد کے صفحات)۔

فقہ الاوقاف سے متعلق غلط طور پر رائج تصورات کے یہ چند نمونے دیئے گئے ہیں، حالانکہ فقہ الوقف اس سے بری ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وقف کے فقہی پہلوؤں کے سلسلہ میں کچھ علمی پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں اور اس پیچیدگی کا وقف پر منفی اثر پڑنا منطقی بات ہے، اسی لئے بہت سے اموال وقف کا محل نہیں ہو سکے، حالانکہ موجودہ دور میں ان کی بڑی اہمیت ہے، اراضی اور جائیداد تو بہت سے لوگوں کے پاس نہیں ہیں لیکن نقد روپیہ تھوڑا بہت ہر ایک کے پاس ہوتا ہے، بعض لوگ اس لئے وقف نہیں کرتے کہ انہیں ابھی آمدنی کی ضرورت ہے یا مستقبل میں ہو سکتی ہے، تو مذکورہ بالا غلط تصورات کی وجہ سے وہ کلی یا جزئی طور پر وقف کرنے سے باز رہتے ہیں، کون ہے جو تنہا صحت، تعلیم، سکونت یا دین سے متعلق کوئی پروجیکٹ شروع کر دے!! ایسے لوگ بہت ہی کم تعداد میں ہیں جبکہ اکثریت کے لئے یہ ممکن نہیں، ہاں مشترکہ طور پر ممکن ہے، لیکن

انفرادی وقف کا تصور لوگوں کو ایسا کرنے سے روک دیتا ہے، اسی طرح یہ خیال کہ وقف کو بدل نہیں جاسکتا، چاہے حالات جیسے بھی ہوں، کتنے ہی اوقاف کے ویران اور برباد ہونے کا سبب بنا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ لوگ وقف کرنے سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ اوقاف کی بد حالی ان کی نظر میں ہے، اسی لئے واقف کی غرض فوت ہوگئی اور واقف کی شرطوں کو ان کی نوعیت سے قطع نظر لازماً ماننے کا خیال، بہت سی حکومتوں کو اوقاف کی تنظیم، ان کے لئے قانون بنانے اور ان میں سے بعض پر پابندیاں عائد کرنے کی صورت میں ظالمانہ مداخلت کے لئے جواز عطا کرتا ہے، دوسری طرف واقف کی شرط کے باعث بہت سے اوقاف زوال پذیر ہو جاتے ہیں۔

واقف کی شرطوں کی مناسب تنفیذ و تطبیق ایک اہم معاملہ ہے اور اس کے باعث بہت سے لوگ وقف کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، فقہ میں اس پہلو کی رعایت کی گئی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ شرطیں واقف کے مفاد، موقوف علیہ کے مفاد اور سماج کے مفاد کو پورا کرنے والی اور مناسب و معقول ہوں، یعنی مسئلہ یہ ہے کہ لوگوں کو اس کا صحیح شعور ہو اور اجتماعیت یا مملکت کی مداخلت ضرورت پڑنے پر مناسب طریقہ پر ہو، لوگوں میں منافع وقف کے جائز ہونے کے شعور کا مناسب حد تک نہ پایا جانا ہی، وقف کی فعالیت اور اس کے دائرہ کی وسعت کے بڑی حد تک متاثر ہونے کا سبب ہے، حالانکہ فقہ مالکی میں اس کی صراحت موجود ہے اور منافع بھی مال ہوتے ہیں اور اعیان کی طرح باقی رہتے ہیں، اعیان سے کم ان کی اہمیت نہیں ہوتی، بلکہ اعیان میں ان کے پائے جانے ہی سے اعیان کو اقتصادی قیمت حاصل ہوتی ہے۔

امور وقف کی انجام دہی کی عصری شکلیں یعنی انتظام، سرمایہ کاری اور دیکھ ریکھ وغیرہ کا نظام نہیں ہے یا کم از کم عام لوگ انہیں نہیں جانتے، جبکہ موجودہ دور میں زمانہ کے حالات کے مطابق جدید اور عصری طریقوں کی شدید ضرورت ہے۔ بہت سے اسلامی ملکوں میں ایسے قانون موجود ہیں جو لوگوں کو وقف کرنے سے روک دیتے ہیں۔

اس طویل اقتباس سے جو جوہری نتائج نکلتے ہیں، وہ یہ کہ فقہ الاوقاف میں کافی لچک ہے جو اوقاف کو نئے حالات کے مطابق ڈھالنے اور آگے بڑھنے میں مدد دیتی ہے، خاص طور پر جب ہم وقف کی دینی اہمیت کو پیش نظر رکھیں اور کیا یہ محض مذہبی و تعبدی عمل ہے یا ایسا دینی عمل جو معقول ہے اور جس کی ایک غرض و مقصد ہے، وقف اور موقوف علیہ کو فائدہ پہنچانا اس کا مقصد ہے یعنی حالات کے لحاظ سے اس میں جمود بھی آ سکتا ہے اور حالات و ظروف کے لحاظ سے تبدیلی و ترقی بھی ہو سکتی ہے۔

دوسرے لفظوں میں کیا شرعاً مصلحت معتبرہ کو وقف کی پالیسی سازی میں کچھ دخل ہوگا، اگر ہم جواب ہاں میں دیں تو ایک بات ہوگی اور فقہاء کے مطابق ہوگی، شیخ عبداللہ بن بیہ (حوالہ سابق) نے جو تحلیل و تجزیہ کیا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ وقف کے کام میں زیادہ سے زیادہ لچک ہونی چاہئے تاکہ ان کو حالات کے مطابق ڈھالا جاسکے۔

۳- موجودہ دور میں اوقاف کے فعال کردار کی شدید ضرورت

گزشتہ سطور میں ہم نے یہ بیان کیا کہ اوقاف اس وقت کمزوری اور پٹر مردگی کا شکار ہیں اور اگر بعض فکری و عملی کام کئے جائیں تو ان کے کردار کا احیاء ممکن ہے، اس طرح کی کوششوں کے جواز میں چند باتیں کہی جاسکتی ہیں، مثلاً:

۱- موجودہ دور میں مملکت کا سماجی اور معاشی کردار کمزور ہو گیا ہے، جدید رجحانات نے قومی معاشیات کو پرائیویٹ سیکٹر میں مرکوز کر دیا ہے، سول اور پرائیویٹ اداروں اور افراد کے ہاتھ پوری اجتماعی زندگی آگئی ہے، اسی لئے ممکن ہے کہ وقف کا ادارہ افراد و اجتماعیات کی بہت سی اقتصادی و سماجی ضرورتوں کی تکمیل میں ایک زبردست رول ادا کرے۔

۲- اسی میں یہ اضافہ کیجئے کہ آج مذکور الصدر رجحانات کے نتیجہ میں ریاست کے مالی وسائل بڑی حد تک محدود ہو گئے ہیں، کیونکہ اسے بہت سے وہ ٹیکس نہیں ملتے جو پہلے ملا کرتے

تھے، نتیجہ یہ ہے کہ آج بہت سی اقتصادی و اجتماعی ضرورتیں حکومت کے بجٹ سے باہر پوری ہوتی ہیں، جنہیں بنیادی طور پر سول سیکٹر اور رضا کارانہ طور پر پرائیوٹ اقتصادی سیکٹر ہی پورا کر سکتے ہیں، وقف اپنی شکل اور مالیاتی طریقہ کار سے بہت سی ضرورتیں پوری کر سکتا ہے۔

۳- موجودہ صورت حال میں کئی حکومتوں کو اپنی مالی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے باہر سے مدد لینا پڑتی ہے، اس قسم کی مالی امداد کے نقصانات بالکل واضح ہیں۔

۴- موجودہ دور میں عالم اسلام تعلیم اور علمی تحقیق میں ایک زبردست پچھڑے پن کی حالت میں ہے، اس کے لئے مسلم حکومتیں جو بجٹ بناتی ہیں وہ بہت ہی معمولی ہیں، جس سے اس کی تنزلی میں روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے، یہ زوال اقتصادی بھی ہے اور علمی اور سائنسی بھی۔ معاصر اقوام کی ترقی کی اساسیات میں علم و معرفت کی اقتصادیات کو جنہیں جدید اقتصادیات کہا جاتا ہے، اول درجہ دیا جانا مشہور و معروف بات ہے۔ عمومی آمدنی کی کمی کی صورت میں مسلم حکومتیں ان اجتماعی اداروں اور مراکز کو سرمایہ کیسے فراہم کریں؟ کیا اس کام کو پرائیوٹ سیکٹر کے لئے چھوڑ دیا جائے جو اصلاً زیادہ سے زیادہ منافع سمیٹنے کے لئے ایسے پروجیکٹس پر توجہ مرکوز رکھتا ہے جن کے ذریعہ وہ منافع حاصل ہو سکیں، ظاہر ہے کہ اس بات سے حقیقی سائنٹفک ریسرچ و تحقیق اور تعلیم کے ادارے راضی نہ ہوں گے، کیا ان چیزوں کو خارجی مالیاتی اداروں پر چھوڑ دیا جائے جن کے مقاصد اور محرکات مشتبہ ہیں یا صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ اوقاف کو مثبت اور تعمیری طور پر اس میدان میں استعمال کیا جائے جیسا کہ ماضی میں کیا گیا تھا اور ایسا علمی ارتقاء و وجود پذیر ہوا تھا جس کا اعتراف پوری دنیا کو ہے؟

۵- عالم اسلام میں روز بروز تقسیم دولت کے بارے میں خلیج بڑھ رہی ہے اور غربت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے حتیٰ کہ اس وقت مسلم دنیا کے ۶۰ فیصد سے زیادہ لوگ غربت کا شکار ہیں (اسلامی ترقیاتی بینک کی سالانہ رپورٹ ۱۹۹۰ء، ص ۵۱ اور اس کے بعد کے صفحات)، موجودہ دور کے

حالات اور گلوبلائزیشن اور اسپیشلائزیشن وغیرہ کے نئے عالمی و مقامی رجحانات سے ایسا لگتا ہے کہ غربت کی اس سنگین صورت حال میں مزید ابتری آئے گی اور تقسیم دولت میں فاصلہ بڑھے گا۔ پوری دنیا پر اس صورت حال کا مقابلہ کرنا ضروری ہے جو نہ صرف اس کے امن و امان اور استحکام کے لئے خطرہ ہے بلکہ اس کے وجود کے لئے ایک چیلنج ہے، مسلم دنیا پر اللہ کا یہ فضل ہے کہ وہ اس نازک صورت حال کا مقابلہ کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ رکھتی ہے جو وقف ہے بشرطیکہ اس پر بہتر طریقہ سے عمل کیا جائے۔

۶۔ دولت کی غلط تقسیم اور شدید غربت کے نتیجہ میں عام محتاج لوگ علاج معالجہ کی بہتر سہولیات سے محروم ہیں، کیونکہ ایک طرف تو سرکاری اسپتال اور طبی مراکز روبہ زوال ہیں، دوسری طرف ان میں علاج کی جدید سہولیات اور اچھے مینجمنٹ کا فقدان ہے، جبکہ سرمایہ کاری کی بنیاد پر چلائے جانے والے اسپتال اور پرائیوٹ نرسنگ ہوم گراں قیمت ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ عام غریب لوگ ان سے فائدہ اٹھانے کی سکت نہیں رکھتے، بیماریاں پھیلتی جاتی ہیں اور غریبوں کی آمدنی اور کمائی کی صلاحیت کو مزید گھٹا دیتی ہیں اور ان کی غربت میں اضافہ کر دیتی ہیں، اس مسئلہ سے نمٹنے کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ فلاحی اور چیریمینیل اداروں سے مدد لی جائے، جن میں اوقاف کا کردار ماضی میں بہت تابناک رہا ہے اور وہ آج بھی بہت اچھا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

۷۔ مذکورہ بالا نکات کے علاوہ ہمیں ایسے طریقہ کار کی شدید ضرورت ہے جس کے معاشی ڈائمنشن کے ساتھ ہی اس کا روحانی اور اخلاقی پہلو بھی ہو اور ہمارا اقتصادی، اخلاقی، مادی اور روحانی ہر طرح سے ارتقاء ہو سکے، وقف ہمیں اس قسم کا ارتقاء بہم پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہر پہلو اور ہر اعتبار سے یہ بات مبرہن اور روشن ہو جاتی ہے کہ موجودہ دور میں اوقاف کی کتنی ضرورت ہے۔ اب اس مقالہ کے دوسرے حصہ میں اوقاف کی مختلف قسموں میں سے ایک قسم جس کی افادیت کے ہم اب تک بہت زیادہ قائل نہیں رہے ہیں یعنی ”نقدی اوقاف“ پر گفتگو ہوگی۔

دوسری قسم - وقف نقدی

نقدی وقف میں بہت سے امکانات ہیں، جن سے بہتر طریقہ پر وقف کے فلاحی و ترقیاتی مقاصد کا حصول ممکن ہے، اسی لئے وقف نقدی پر توجہ اور اس کے ارتقاء کی کوشش وقف کے کردار کے احیاء کے سلسلہ میں بنیادی نوعیت رکھتی ہے، اس موضوع کے اہم نکات ہم ذیل میں لکھتے ہیں:

۱- نقدی وقف کا مفہوم

اس وقف سے مراد یہ ہے کہ نقد مال کی تمام تر انواع و اقسام کو وقف کیا جائے، یعنی ایسا وقف جس میں موقوف علیہ نقد مال ہو۔

۲- نقدی وقف کا حکم

اس مسئلہ میں تتبع اور غور و فکر سے مذاہب اسلامیہ کے فقہاء کی جورا میں ملیں وہ یوں ہیں:

۱- ایک بھی فقہی مذہب ایسا نہیں جس کے علماء کا نقد مال کے وقف کے ناجائز ہونے پر اجماع ہو، ہر مذہب میں اس کے جواز کے قائلین موجود ہیں، مذہب مالکی اس بارے میں سرفہرست ہے، اس کی جتنی بھی مشہور اور معتمد علیہ کتابیں ہیں سب میں وقف نقدی کے جواز کی صراحت ملتی ہے (الدسوقی، حوالہ سابق ۴/۷۷)، اس کے بعد حنفی مذہب ہے کہ اس کے کئی ائمہ اور مشاہیر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں بلکہ اس کے ایک مشہور عالم نے تو وقف النقود کے جواز میں ایک کتاب لکھی ہے (الامام ابو السعد، رسالۃ ابی السعد فی جواز وقف النقود، تحقیق صغیر احمد، دار ابن حزم بیروت ۱۴۱۷ھ) تقریباً یہی موقف حنبلی مسلک کا ہے حتیٰ کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس کے جواز کو رائج

قرار دیا ہے (مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ۳۱/۲۳۴ اور اس کے بعد کے صفحات)، ایسا لگتا ہے کہ شافعی مذہب میں اس کے جواز کی سب سے کم بات کہی گئی ہے (الماوروی، الحاوی الکبیر، حوالہ سابق ۹/۳۷۹)، جہاں تک شیعہ فقہ کا میں نے مطالعہ کیا ہے، مجھے کوئی ایسی صراحت نہیں ملی جو وقف النقود اور اس کے شرعی حکم کو بتاتی ہو، لیکن ایک نص ایسی ہے جو اگر ثابت ہو جائے تو جواز پر دلالت کرے گی، امام مرتضیٰ کہتے ہیں: ”ویشترط فی الموقوف صحة الانتفاع به مع بقاء عينه“ (عیون الازہار حوالہ سابق ۳۵۹) (مال موقوف میں یہ شرط ہے کہ اس کے عین کے باقی رہتے ہوئے اس سے انتفاع صحیح ہو) اس مطالعہ کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوگا کہ وقف النقود میں یہ شرط متحقق ہے، یہ اشارہ کرنا بھی مناسب ہے کہ ماضی میں کئی مسلمان ملکوں میں نقد وقف کرنا ایک عام بات تھی، حتیٰ کہ بعض علماء نے اس کے جواز و عدم جواز کے حوالہ سے نہیں بلکہ نقد موقوفہ کی زکاۃ کے حوالہ سے بات کی ہے، یعنی جواز کا مسئلہ ان کے نزدیک طے شدہ تھا۔

۲- نقد وقف کے عدم جواز پر کوئی صریح قول مجھے نہیں ملا، فقہاء کے اقوال و مذاہب کے مطالعہ سے جو بات معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں وقف نقد نہیں تھا بلکہ اراضی اور جائیداد وغیرہ کا وقف تھا، سنت وقف اور اس کا مقتضایہ ہے کہ اصل کو روک لیا جائے اور اس کے ثمرات کو عام کیا جائے، یہ وقف نقد میں نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس سے صحیح شرعی فائدہ اہلاک عین سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ صدر اسلام میں صرف اموال منقولہ کے وقف پر عمل سے دوسری چیزوں کے وقف کی ممانعت لازم نہیں آتی، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ وقف صرف اصول ثابتہ (ارضی) پر ہی منحصر نہ تھا، ہاں غالب یہی تھا، کیونکہ حضرت خالدؓ نے اپنی زرہ اور جنگی اسلحہ وقف کیا جو کہ منقولہ اموال ہیں، نبی ﷺ نے اس کو برقرار رکھا جیسا کہ متفق علیہ حدیث سے ثابت ہے، نقد بھی اموال منقولہ میں سے ہے، یہ بھی تسلیم ہے کہ وقف کا طریقہ یہی ہے کہ اصل کو روکا جائے، پیداوار سے استفادہ کیا جائے، لیکن ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ یہ

چیز وقف نقد میں حاصل نہ ہوگی، کیونکہ نقد مثلی ہوتے ہیں، مثل بھی اصل کی طرح ہوتا ہے اور نقد و تعین سے متعین نہیں ہوتے، ان کا بدل بھی ان کے قائم مقام ہوتا ہے۔ یہ بات بھی تسلیم ہے کہ استفادہ شرعی چاہتا ہے کہ نقد کو بدلا جائے لیکن ان کے عین کو خرچ کرنا کوئی ضروری نہیں، کیونکہ عین تو دائماً باقی رہے گا (کئی فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، ابن عابدین، حوالہ سابق ۴/۳۶۳، دسوقی، حوالہ سابق ۴/۷۷)، لگتا یہ ہے کہ عدم جواز کے قائلین نے یہ دیکھا کہ ایک شخص دوسرے شخص یا جہت کو نقد وقف کرتا ہے اور انہیں روپیہ دے دیتا ہے اور بس قصہ ختم۔ حق یہ ہے کہ اس طرح کا عمل وقف نہیں بلکہ محض عام صدقہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں نہ اصل قائم ہے نہ انتفاع جاری!! لیکن جو نقد وقف کے قائل ہیں ان کا مقصود یہ شکل نہیں ہوتی، بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ موقوفہ نقد کو اصل قائم سمجھا جائے اور اس سے استفادہ اس طور پر ہو کہ اصل قائم رہے، جیسا کہ آگے آنے والی تفصیلات سے واضح ہوگا۔ اس صورت میں کہ نقد و موقوفہ کی سرمایہ کاری کی جائے اور ان کے منافع موقوف علیہ پر تقسیم ہوں اور اس صورت میں کہ کھجور کے درخت کو وقف کر دیا جائے اور اس کے منافع و ثمرات کسی پر خرچ کئے جائیں، کیا فرق ہے، جبکہ کھجور کا درخت پرانا ہو کر ختم بھی ہو سکتا ہے، اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ اس کے پودے خرید کر لگانا ضروری ہوگا تا کہ کھجور مستقل باقی رہے (ہلال الرائی، احکام الوقف، دار المعارف العثمانیہ، ۱۳۳۵ھ ص ۲۰)۔ اب سوال یہ ہے کہ کھجور کا جو درخت باقی رہے گا کیا وہی ہوگا جو وقف کیا گیا تھا؟ حالانکہ مثلیت ایک جنس کے درختوں کے مقابلہ میں نقد میں زیادہ ہوتی ہے۔ پھر نقد کے وقف سے وقف کی ہمیشگی کا قانون بھی نہیں ٹوٹتا، کیونکہ وہ بھی سرمایہ کاری اور افزونی سے برابر موجود رہے گا، بلکہ اراضی اور جائیدادوں کے مقابلہ میں زیادہ موجود رہے گا، اصل میں اعتبار مال موقوف کی نوعیت کا نہیں اس کے انتظام کا ہے۔ بد نظمی سے ہر قسم کا مال ضائع ہو جائے گا۔ کسی میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ اس تفصیل سے یہ بات

کھل کر سامنے آئی کہ بہت سے فقہاء نے نقد وقف کی اجازت دی ہے، نیز یہ کہ اس قسم کے وقف میں بعض ایسے خصائص و فوائد ہیں جن میں سے بیشتر عین کے وقف میں نہیں پائے جاتے جیسا کہ اگلے بحث میں ہم دیکھیں گے۔

۳- جدید دنیا میں وقف نقد کو زیادہ اہمیت دینے کے عوامل

شروع میں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ نقد وقف کے ذرائع و وسائل کے مد نظر اس پر زیادہ توجہ دینے کی ہماری دعوت کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ ہم وقف عینی کی اہمیت گھٹا رہے ہیں، جیسا کہ بعض ان لوگوں کا کہنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وقف عین موجودہ اقتصادی ترقی میں کچھ معاون نہیں ہے (محمد بوجلal، نحو صیغۃ مؤسسیۃ للمدور التعمودی للوقف: الوقف النامی، مجلۃ دراسات اقتصادیه اسلامیۃ، المعهد الاسلامی للبحوث والتدریب، جدۃ، جلد خامس، العدد الاول رجب ۱۴۱۸ھ)۔ صحیح یہ ہے کہ وقف شرعی اپنی مختلف انواع کے ساتھ ترقی کے کام میں مدد دیتا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی خدمت کے مزاج، نوعیت اور مقدار میں وقف کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے، جیسے حالات ہوں ان کے مطابق۔ اس بحث کا مقصود وقف کی اس فراہموش کردہ نوعیت کی اہمیت واضح کرنا اور اس کی طرف توجہ دلانا ہے، یہ نہیں کہ وہ وقف عینی کا بدل ہے بلکہ وہ وقف عینی کو سہارا دیتا ہے اور اس کا بنیادی جز ہے، خاص طور پر اس لئے بھی کہ اس میں یہ خصوصیات پائی جاتی ہیں:

۱- نقد تقریباً تمام لوگوں کے پاس ہوتا ہے، قلت و کثرت سے صرف نظر کرتے ہوئے عام لوگوں کے پاس مال اور نقد روپیہ ہوتا ہے، جبکہ ان میں سے بہت سے لوگ اراضی اور جائیدادوں کے مالک نہیں ہوتے۔

۲- وقف مشترک یا اجتماعی وقف کے قیام کے لئے اوقاف کی دوسری اقسام سے زیادہ مناسب وقف نقدی ہے اور انفرادی وقف سے زیادہ اجتماعی وقف تقاضائے وقت کے مطابق

ہے، اس لئے کہ اس میں ذرائع و وسائل کی فراوانی ہوتی ہے جس کے ذریعہ بہت سے اقتصادی اور اجتماعی پروجیکٹ بنائے جاسکتے ہیں۔

۳- اس کی سرمایہ کاری کے طریقے، انداز اور میدان متعدد و متنوع ہیں، اسی وجہ سے اس کے منافع بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

۴- اس کے مقاصد اور دائرے بھی متنوع و متعدد ہیں جن میں کوئی محدودیت اور رکاوٹ نہیں ہے۔

۵- ”مالیات کی فراہمی کو عام کرنے“ کے موجودہ اصول سے بھی وقف نقدی ہی زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

۶- سرمایہ کاری میں اس کا اثر اس لئے زیادہ ہوتا ہے کہ مختلف مراحل میں پروڈکشن کے مختلف طریقوں میں یہ مدد دیتا ہے، کیونکہ نقد پیسہ کی بنیاد پر ان پروجیکٹوں اور سرگرمیوں میں شامل ہونا آسان ہے، یہ بعض وہ خصوصیات ہیں جن سے وقف نقدی کی اہمیت اور مقام کا پتہ چلتا ہے۔

۴- وقف نقدی کی تشکیل

نقد وقف کبھی تو انفرادی ہوتا ہے اس طرح کہ کوئی فرد یا جہت اکیلے وقف کرے اور مال موقوف میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو، یہ عام طور پر اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ یا تو آدمی کی مالی استطاعت اچھی ہو اور موقوف علیہ معین و محدود ہو یا جہت عام اور چھوٹی ہو، چنانچہ اس طرح کا وقف اپنی اہمیت کے باوجود محدود نوعیت کا ہوتا ہے (اگرچہ اس کا وجود ہے جیسے کہ ڈاکٹر شوقی فنجری نے طلبہ علم اور دعوت و فقہ اسلامی کے لئے وقف کیا اور جیسے صالح کامل نے جامعۃ الازہر کے مرکز الاقتصاد الاسلامی پر وقف کیا)، جو نقدی وقف اجتماعی یا مشترک ہوتا ہے وہ اس طرح ہوتا ہے کہ

کوئی محدود یا غیر محدود جماعت بالاشتراک کسی بھی صورت میں وقف فنڈ قائم کرے یا کوئی ایسا ادارہ فنڈ قائم کرے جس کے پاس انفرادی اوقاف جمع ہو گئے ہوں، جیسا کہ بعض بینک کرتے ہیں جنہیں انفرادی اوقاف موصول ہوتے ہیں، وہ ان کو ملا کر جن کا مقصد ایک ہو، ایک فنڈ بنا دیتے ہیں تاکہ اس کی سرمایہ کاری اور اس سے حاصل شدہ منافع کے ذریعہ جہت موقوف علیہ کو منافع ملیں یا اگر واقف نے کسی ایک جہت کو مخصوص نہ کیا ہو تو کئی فلاحی اداروں کو منافع دیئے جائیں۔

کبھی یہ فنڈ وقف کے چیکوں کے ذریعہ بنایا جاتا ہے، جن کی قیمت متعین ہوتی ہے اور کوئی نظام بنا کر عام لوگوں کو فروخت کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ کبھی واقفین کی ایک جماعت یا کسی خیراتی ادارہ یا بینک یا کسی سرکاری ادارہ کے ذریعہ دین اور حکومت کی رو سے جائز متعین ضوابط کے دائرہ میں یہ چیک پیش کیا جاتا ہے۔

۵۔ نقدی وقف کی سرمایہ کاری

کسی چیز کی سرمایہ کاری سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کو کام میں لگا دیا جائے تاکہ اس سے منافع حاصل ہوں، جیسے گھروں اور اراضی کو کرایہ پر دینا اور منافع حاصل کرنا یا کبھی کوئی چیز بٹائی پر دینا، مشہور ہے کہ نقد دجاہد اور ساکن ہوتے ہیں، وہ بذات خود کوئی منافع نہیں دے سکتے، ان کو بدلنا، حرکت میں لانا اور سرمایہ کی دوسری صورتوں میں بدلنا ضروری ہے، پھر ان ہی کو یا ان کے منافع کو نقد میں لوٹا دیا جائے، مثلاً ممکن ہے کہ ان سے کوئی سامان خریدا جائے پھر نفع لے کر بیچا جائے یا ان سے مستقل اسباب و جائیداد خرید لی جائیں اور منافع حاصل کئے جائیں مثلاً اراضی، مکانات، کارخانے، شیزز وغیرہ، اس سے پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ وقف نقد کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کو کام میں لگا دیا جائے، ان سے منافع بھی حاصل ہوں اور وہ

زائل بھی نہ ہوں، بیشتر حالات میں اس کا تقاضا ہے کہ ان کے ذریعہ سرمایہ کاری کی جائے، اس طرح انہیں باقی رکھا جائے اور ان کے حاصل اور آمدنی کو خرچ کیا جائے۔

اس موقع پر مناسب ہے کہ فقہاء نے وقف نقد کی جن صورتوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک صورت کی طرف اشارہ کر دیا جائے، پھر نقد وقف کی سرمایہ کاری کی صورتوں کا تذکرہ کیا جائے گا، فقہاء نے کہا کہ قرض دینے کے لئے نقد وقف کئے جاسکتے ہیں، مثلاً ایک شخص محتاجوں کو قرض دینے کے لئے نقد مال کی ایک مقدار وقف کرے، محتاج اس قرض کو لے کر اس سے ضرورت پوری کرے، اس کے بعد وقف کے متولی کو لوٹا دے (الدسوقی، حوالہ سابق ۳/۷۷)۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اصل مجبوس کیا ہے اور اس کی آمدنی کہاں ہے؟

جواب یہ ہوگا کہ اصل نقد موقوف ہوں گے، وہ اس قرض کے لئے قائم اور باقی رہیں گے، آمدنی وہ منفعت ہوگی جو قرض لینے والے کو ان نقد سے پہنچے گی، ظاہر ہے کہ قرض لینے والے کو ایک قسم کا فائدہ ہے ورنہ قرض لینے کی کوئی حاجت نہ ہوتی۔ اس کا مطلب ہے کہ قرض حسن دینے کے لئے وقف سے کوئی فنڈ قائم کیا جاسکتا ہے اور یہ ایک اہم چیز ہے جس کا بدلہ نہیں (ڈاکٹر راشد العلیوی، الصیغ الحدیث لاستثمار الوقف وأثره في دعم الاقتصاد، ندوة مكانة الوقف وأثره في الدعوة والتمیة مکرمہ۔ شوال ۱۴۲۰ھ)۔ یہاں کہا جاسکتا ہے کہ نقد کی سرمایہ کاری کہاں ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ یہاں سرمایہ کاری نہیں، کیا ہر وقف سے الگ منفعت اور علاحدہ آمدنی حاصل ہوتی ہے؟۔ علماء کہتے ہیں کہ بعض قسم کے اوقاف سے آمدنی حاصل ہوتی ہے اور بعض سے حاصل نہیں ہوتی (سبحون، المدونہ، حوالہ سابق ۶/۱۰) پہلے کی مثال وہ کرایہ کے لئے وقف کئے گئے مکان سے اور دوسرے کی مثال رہائش کے لئے وقف کئے گئے مکان سے دیتے ہیں، یہاں سوال تو یہ ہونا چاہئے کہ قرض کبھی کبھی ادا نہیں کئے جاتے اور وقف کے متولی کا جو خرچ ہے وہ کیسے پورا ہوگا، کیونکہ اگر یہ مسائل صحیح طور پر حل نہیں ہوں گے تو اموال وقف اور فنڈ کے ذرائع ختم ہو جائیں گے،

جو وقف کے مقصد اور اس کی سنت کے منافی ہوگا، اسی طرح واقف کی جو غرض ہے کہ وقف باقی رہے اور موقوف علیہ اس سے دائمی فائدہ اٹھائے جس سے دائمی ثواب حاصل ہو، وہ بھی ختم ہو جائے گی، ضروری احتیاطی تدابیر اختیار کرنے یعنی ضمانتوں، رہن اور کفالات کے ساتھ ساتھ اس بات کے جواز پر بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ قرض لینے والا اطمینان بخش طریقہ پر طے شدہ حدود و ضوابط کی روشنی میں اپنے قرض کے واقعی اخراجات ادا کرے، ہماری رائے یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بہتر یہ ہوگا کہ وقف کا متولی وقف کے ایک متعین حصہ کی سرمایہ کاری کرے اور یہ واقف کے علم میں ہو اور اس کے منافع سے بنیادی طور پر متولی کے اخراجات پورے کئے جائیں، دیون معدومہ کے لئے کچھ حصے خاص کر دیئے جائیں، جو بچیں ان کو راس المال بنالیا جائے اور قرض کے لئے محفوظ کئے گئے فنڈ میں شامل کر لیا جائے، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ مال وقف کے کچھ حصہ کو بیچ کر باقی حصہ پر اس کی آمدنی صرف کی جاسکتی ہے، اسی طرح انہوں نے صراحت کی ہے کہ اس کے ایک حصہ سے آمدنی حاصل کر کے اسے اس کے دوسرے حصہ پر خرچ کیا جاسکتا ہے (فقہاء کہتے ہیں: کسی شخص کی خدمت کے لئے وقف کئے گئے غلام کا نفقہ خود اس شخص کے ذمہ ہوگا) (الذخیرۃ ۶/۳۴۱)، یہاں نفقہ و شہریوں کی خدمت کے لئے وقف ہیں، لہذا وہ تمام چیزیں جو ان کی بقاء کے لئے ضروری ہیں ان ہی کے ذمہ ہوں گی۔ دیکھئے: الکمال ابن الہمام، فتح القدیر ۵/۴۳۴، ابن تیمیہ، الفتاویٰ ۳۱/۲۱۲، الدسوقی ۳/۹۰، یہ اس وجہ سے کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ وقف باقی رہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے، اس موقع پر ضرورت ہے کہ قرض دینے کے لئے وقف کا جو فنڈ ہے اس کے مال کی سرمایہ کاری اور بڑھوتری سے متعلق فقہ کی رو سے غور کیا جائے اور اس کو زائد از ضرورت آمدنی نیز نگہداشت کی غرض سے رہائشی مکان کی سرمایہ کاری کے مسئلہ پر قیاس کیا جائے۔ وقف نفقہ کا مقصد جہت موقوف علیہ پر اس کے منافع کو خرچ کرنا بھی ہوتا ہے، جس کا لازمی تقاضا یہ ہوگا کہ پہلے اس کی سرمایہ کاری ہو پھر اس کے نفع کو خرچ کیا جائے یا زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ اس کے

ایک جز کو موقوف علیہ پر خرچ کیا جائے قدیم فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے (المأوردی، الحاوی الکبیر، حوالہ سابق ۹/۳۷۹، ابن تیمیہ، الفتاویٰ ۳۱/۲۳۳ اور اس کے بعد کے صفحات، الکمال ابن الہمام، حوالہ سابق ۲۳۲/۵)۔

اگر واقف نے وقف کے لئے کوئی خاص طریقہ مقرر نہ کیا ہو تو سرمایہ کاری کے بہت سے طریقے اور اسالیب ممکن ہیں، بس شرط یہ ہے کہ وہ زیادہ نفع بخش اور وقف کی غرض پوری کرنے والے ہوں اور احکام شریعت سے ہم آہنگ بھی ہوں، اگر ایسا نہ ہو تو وقف کا متولی دوسرے ایسے طریقے اختیار کر سکتا ہے جو ان تقاضوں سے مطابقت رکھتے ہوں۔ وقف کے منتظمین کے سامنے موجودہ دور کے بہت سے طریقے ہیں اور اسلامی بینکوں نے انہیں استعمال بھی کیا ہے، جیسے راست سرمایہ کاری، کرایہ پر دینا، مضاربیت، شرکت، سلم، بیع مرابحہ، مال تیار کرانا، کرنسی نوٹوں کی خرید، سرمایہ کاری فنڈ قائم کرنا اور ان میں شرکت کرنا وغیرہ۔ کیونکہ اوقاف کے مال بھی دوسرے مالوں کی طرح ہیں اور ان کے لئے بھی متعدد طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں، بس شرعی التزام کی شرط ہے، اس وقت بھی جبکہ واقف غیر شرعی طریقہ کی صراحت کر دے، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ سرمایہ کاری کے عمل کی افادیت پر سنجیدگی سے غور و فکر کر لیا جائے تاکہ ایک طرف مال وقف کی حفاظت بھی ہو اور دوسری طرف زیادہ سے زیادہ منفعت بھی حاصل ہو، کیونکہ مال وقف یتیم کے مال اور بیت المال کے مال کی طرح ہے، اس کی سرمایہ کاری کے لئے زیادہ سے زیادہ محنت ہونی چاہئے۔ بہتر ہوگا کہ عمومی مصلحت سے بالکل صرف نظر بھی نہ کی جائے تاکہ وقف سے متعلق معاشی مصلحت کا حصول ممکن ہو، کیونکہ وقف اصلاً ایک رفاہی عمل ہے، لہذا فلاح و بہبود کا تصور اس کے تمام اقدامات و مراحل میں موجود رہنا چاہئے اور اسے موقوف علیہ کے حقوق میں جو وقف کے عمل کا اصل مقصود ہیں غبن تصور نہ کیا جائے، اس بات کو مثال سے یوں سمجھایا جاسکتا ہے کہ کسی اسپتال یا اسکول یا یونیورسٹی کو نقد وقف کیا گیا اور اس نقد کی سرمایہ کاری یعنی مذکورہ

مصارف پر ان کی آمدنی کے صرف کے لئے دو پروجیکٹ سامنے ہیں، پہلا عام لوگوں کی آباد کاری کا، دوسرا پروجیکٹ متوسط یا اعلیٰ درجہ کے لوگوں کی آباد کاری کا، پہلے پروجیکٹ سے جو فائدہ ہوگا وہ دوسرے کے مقابلہ میں کم ہوگا لیکن پہلے پروجیکٹ سے غریب لوگوں کو فائدہ ہوگا، جنہیں رہنے سہنے کی جگہ کی ضرورت ہے، تو اس صورت میں وقف کے منتظمین وقف کے مال کو کہاں لگائیں، اس سوال کا جواب آسان نہیں؟ کیونکہ پہلی صورت میں اجتماعی فائدہ ہے تو دوسرے میں موقوف علیہم کو زیادہ فائدہ ہے۔ مناسب میدان میں اس مال کی سرمایہ کاری کے لئے موقوف، موقوف علیہ اور اموال وقف کی سرمایہ کاری اور اس کے منافع کی تقسیم کے درمیان دقت نظر پر مبنی تمیز مفید ہوگی، اسی طرح اس پہلو کو پیش نظر رکھنا کہ موقوف علیہم کی مصلحتوں کی رعایت خاص طور پر جب کہ وہ ضرورت مند بھی ہوں یا عمومی مصارف کی رعایت بذات خود ایک اجتماعی مصلحت ہے۔ اس میں اس سے بھی مدد مل سکتی ہے کہ مملکت خود رو بعمل لائے جانے والے پروجیکٹوں کے لئے ترجیحات متعین کرے اور وقف کا فنڈ بھی سرمایہ کاری کے متنوع میدان اختیار کرے، اس طرح ایک حسین امتزاج سامنے آئے گا جس کے ذریعہ ممکنہ طور پر بیک وقت عام و خاص دونوں قسم کے منافع و مصالح کے حصول کو یقینی بنایا جاسکے گا۔

۶۔ نقدی اوقاف کے نظم و انصرام کا مسئلہ

انفرادی نقد وقف کے انتظام میں کوئی خاص دشواری نہیں، اسے تو واقف خود بھی انجام دے سکتا ہے یا کسی تجربہ کار سرمایہ کاری کے ادارہ کو معاہدہ کے ذریعہ یہ ذمہ داری دے سکتا ہے، اس کی نگرانی کا ذمہ وہ خود لے یا کسی دوسرے ادارے سے کروائے لیکن اجتماعی نقد وقف جس میں چیک، فنڈز اور اچھے مالیاتی ادارے کی ضرورت ہوگی جو خود اس کی سرمایہ کاری کرے یا کسی دوسرے ادارے سے کروائے، اس کے لئے ایک پورے انتظامی نظام کی ضرورت پڑتی ہے اور

غالباً سب سے اہم مسئلہ یہ ہوگا کہ واقفین کیسے اس نظام کی مناسب نگرانی کریں جس سے یہ ضمانت ملے کہ وقف کے مال کی بہتر سرمایہ کاری ہو رہی ہے اور اس کے منافع بہتر طریقے پر صرف کئے جا رہے ہیں یا تو وقف فنڈ بنا کر جس کا نظم ان میں سے بعض افراد کریں اور مختلف سرمایہ کاری کے اداروں سے تعامل کریں، اس کام کو انجام دیں گے، باقی واقفین ایک عام سوسائٹی بنالیں گے اور کبھی واقفین کسی مالیاتی ادارہ سے مدد لیں گے جو ان کی نیابت میں مذکورہ فنڈ کا نظم کرے گا اور وکالت یا مضاربیت یا اجارہ کی بنیاد پر اس کے ذرائع آمدنی کو کام میں لگائے گا وغیرہ.....

اس صورت میں اہم یہ ہوگا کہ ایک تنظیم عمل میں لائی جائے جو ایک طرح سے واقفین کی نگرانی کرے یا تو وہ فنڈ کی انتظامیہ میں شامل ہو یا کم از کم واقفین کی عام سوسائٹی میں، بہر حال اس طرح کے بہتر انتظامات آج کے ترقی یافتہ مینجمنٹ میں کوئی مشکل نہیں، کیونکہ اس طرح کے مالیاتی اور مینجمنٹ کے ادارے پھیلے پڑے ہیں، یہ بھی اہم ہے کہ مملکت قوانین و ضوابط کی روشنی میں اس طرح کے معاملات میں دخیل ہو۔

۷۔ نقدی وقف کے فنڈز کا میدان عمل

اس سے پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ عالم اسلام زندگی کے تقاضے پورے کرنے میں شدید مشکلات سے دوچار ہے اور اپنے باشندوں کی تعلیم، علاج، روزگار اور رہائش وغیرہ کے مسائل کو حل کرنے اور باوقار زندگی کی فراہمی میں ناکام ہے، ہم نے یہ بھی اشارہ کیا کہ ان ضروریات زندگی کی فراہمی کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے جو حکومتوں کے پاس نہیں ہیں اور پرائیوٹ سیکٹر جو معاشیات پر چھایا ہوا ہے وہ ان پر توجہ نہیں کرتا، لہذا اب ایک ہی شکل بچتی ہے کہ سول سیکٹر پر مبنی رضا کار ادارے اسے کریں اور پرائیوٹ سیکٹر سے مدد لیں۔

اس کام کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف افراد اور اداروں کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اقتصادی و اجتماعی طور پر ضروری چیزوں کی فراہمی کے لئے سرمایہ صرف کریں، اس چیز کے لئے دین و مذہب سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں جو انہیں رضا کارانہ مال خرچ کرنے پر آمادہ کرے، اسلام صدقات، وقف اور خیرات کی اپنی تعلیمات اور قوانین کے ذریعہ اس رجحان کو سب سے زیادہ ابھار سکتا ہے، مطلوب یہ ہے کہ پہلے یہ جذبہ ابھارا جائے اور ایک عام شعور پیدا کیا جائے، جس میں سب کو خطاب کیا جائے اور اس طور پر کہ سب اسے سمجھیں اور اس کے تمام پہلو اور نکات سب کے سامنے واضح ہو جائیں، پہلے اوقاف کی مذہبی اہمیت، پھر اقتصادی اور سماجی اہمیت بتائی جائے، پھر اس کی شکلوں اور اسالیب پر عمل کی بھرپور وضاحت ہو، لوگوں کے سامنے یہ پہلو لایا جائے کہ اس سے عام لوگوں کے مفادات کیسے پورے ہوں گے اور اس میں حصہ لینے والوں کو بہتر ثواب ملے گا، پھر مملکت اپنے قوانین اور حدود و ضوابط کے ذریعہ لوگوں کو اس پر مطمئن کر دے کہ ان کے عطیے اور اوقاف محفوظ رہیں گے اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے خاص ہوں گے، ان کو دست درازی اور کھلواڑ سے بچایا جائے گا۔

اسی طرح یہ بھی اہم ہے کہ پرائیوٹ مالیاتی ادارے اور سرکاری ایجنسیاں بھی وقف کے فنڈز قائم کریں جو سماج کی فلاح و بہبود کے لئے کام کریں اور علاج کے مسئلہ، تعلیم کے مسئلہ، بے روزگاری کے مسئلہ، ریسرچ کے مسئلہ اور آباد کاری کے مسئلہ وغیرہ پر کام کریں (الامیۃ العالمیۃ للأوقاف، الکویت، "الصنادیق الوقفیۃ - النظام العام والاحکام التنفیدیۃ" مطابع الخط ۱۳۱ھ) اور افراد اور اداروں کو ان مدات میں خرچ کرنے پر ابھاریں، اسی طرح واقفین کے مقاصد درست ہوں گے اور ان کا رخ بالفعل حقیقی خیر کے کاموں کی طرف ہوگا، لا حاصل، گھٹیا اور دین و دنیا کے لئے غیر مفید مقاصد کی طرف نہ ہوگا، ابن تیمیہ نے ایسے کاموں میں وقف کرنے کو باطل قرار دیا ہے (الفتاویٰ) اور یہ نہ صرف شرعاً صحیح ہے بلکہ معاشی طور پر بھی درست ہے۔

خاتمہ

بنیادی طور پر اس مقالہ میں نقد وقف سے بحث کی گئی ہے، تمہید میں اس سے متعلق بنیادی نکات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس کا اصل مقصود یہ ہے کہ موجودہ دور میں وقف کے کردار کو مضبوط بنایا جائے۔ مقالہ میں وقف کے ادارہ کی تعریف و توضیح کی گئی اور پھر موجودہ دور میں اس کے کردار کی ضرورت کو اجاگر کیا گیا، مقالہ کے پہلے حصہ میں ان چیزوں سے بحث تھی تو دوسرے حصہ میں وقف نقد سے، اس حصہ میں وقف نقد کی تعریف کی گئی، اس کے سلسلہ میں فقہی موقف بیان کیا گیا، پھر وقف کی خصوصیات اور اس کے وسائل، اس کی تشکیل اور اس کی سرمایہ کاری کی بعض صورتوں کا تذکرہ کیا گیا، آخر میں اس کے بعض ادارہ جاتی اور تنظیمی امور کو بیان کیا گیا۔ اس پوری بحث سے بعض اصولیات سامنے آئیں، جن کی طرف ذیل میں اشارہ کیا جا رہا ہے:

اول: ایک طویل مدت سے مسلم دنیا کے اوقاف دگرگوں حالات سے دوچار ہیں، اگرچہ اب بعض جگہوں پر اس کی ترقی اور افزونی کے لئے بعض اچھی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

دوم: اوقاف کی اس ناگفتہ بہ حالت کے پیچھے بنیادی طور پر بعض وہ تصورات اور غلط فہمیاں ہیں جو اس کے احکام اور شرعی قیود سے متعلق پھیلی ہوئی ہیں، جن کے باعث وسعت تنگی میں، آسانی مشکل میں اور بہاؤ جمود میں بدل گیا، حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ فقہ اسلامی میں اوقاف کے تعلق سے کافی لچک پائی جاتی ہے اور ”ماجرى التعامل به فوقه جائز“ (جس چیز کا تعامل جاری ہو اس کا وقف جائز ہے) کی بے نظیر عبارت سے اس بات کو بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے، اسی وجہ سے ہمیں آج شدید ضرورت ہے کہ فقہ الوقف کو نئی صورت میں سامنے لائیں اور اس کی تشکیل جدید کریں۔

سوم: معاصر مسلم دنیا کے اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی احوال کا تقاضا ہے کہ اوقاف پر

سنجیدگی سے توجہ دی جائے اور جدید اسالیب اور ٹیکنالوجی سے استفادہ کرتے ہوئے اسے ترقی دی جائے تاکہ آج کے حالات میں وہ اپنا مطلوبہ کردار ادا کر سکیں اور ان بحرانی حالات کا سامنا کیا جاسکے۔

چہارم: اوقاف کی افزائش اور ترقی دینے کی جہت میں یہ بھی اہم ہے کہ وقف نقدی کا اہتمام کیا جائے، اس لئے کہ اس کی خصوصیات اور وسائل زیادہ ہیں اور مختلف مسالک اور فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں، سابقہ بحث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں وقف نقد پر عمل رہا ہے اور آج وہ عصر حاضر سے پوری طرح مطابقت بھی رکھتا ہے۔

اب ضرورت اس کی ہے کہ اس کے انتظامی اور مالیاتی پہلوؤں کی کافی شافی توضیح کی جائے، ان کو بروئے کار لانے کا عمل آسان ہو جائے گا اگر ان اسلامی مالیاتی اسالیب اور طریقوں کو پیش نظر رکھا جائے جن پر اسلامی مالیاتی ادارہ کے ذریعہ عمل کیا جا رہا ہے اور جن کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں ہماری تجویز یہ ہے کہ اکیڈمی وقف نقد کی انفرادی و اجتماعی دونوں شکلوں کے جواز کا فیصلہ صادر کرے اور اس پر اسلامی مالیاتی ضوابط و طریقوں کو لاگو کرنے میں زیادہ لچک اور آسانی کا مظاہرہ کرے، اس طرح وقف کے سلسلہ میں امام قرانیؒ کے مندرجہ ذیل قول پر عمل کیا جاسکے گا: "هو من أحسن القرب وینبغي أن تخفف شروطه" (وقف ثواب حاصل کرنے کی بہتر صورتوں میں سے ایک ہے اور اس کی شرطوں کو آسان ہونا چاہئے) (الذخیرہ ۶/۳۲۲)، نیز اکیڈمی مسلم حکومتوں سے یہ سفارش کرے کہ وہ لوگوں کو اوقاف کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اپنے قوانین اور طریقہ کار پر نظر ثانی کریں۔

وقف کا مقام اور سماجی مسائل کے حل میں اس کا کردار

عبدالرحمن بن سلیمان المظفر دہلوی

تمہید

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن
إلا وأنتم مسلمون“ (سورہ آل عمران: ۱۰۲) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جو اس سے ڈرنے کا
حق ہے اور جان نہ دینا بجز اس حال کہ تم مسلم ہو)۔

اسی طرح ارشاد ربانی ہے: ”یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من
نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً كثيراً ونساء واتقوا اللہ
الذی تساءلون بہ والأرحام إن اللہ کان علیکم رقیباً“ (سورہ نساء: ۱) (اے لوگو! اپنے
پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا
پیدا کیا اور ان دونوں سے بہ کثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیئے اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو جس کے
واسطے سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے باب میں بھی تقویٰ اختیار کرو، بے شک
اللہ تمہارے اوپر نگران ہے)۔

نیز فرمان باری ہے: ”یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقلوا قولاً سدیداً“

☆ سکریٹری وزارت برائے امور اوقاف، سعودی عرب۔

یصلح لکم أعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً“ (سورہ احزاب: ۷۰، ۷۱) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو اللہ تمہارے اعمال قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کرے گا اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا)۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور آپ کے سلسلہ میں فرمایا: ”وما أرسلناک إلا رحمة للعالمین“ (سورہ انبیاء: ۱۰۷) (اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے)۔ اسی طرح فرمایا: ”لقد جاءکم رسول من أنفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص بالمؤمنین رؤوف رحیم“ (سورہ توبہ: ۱۲۸) (تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک ایسے رسول آئے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، وہ تمہاری مغفرت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں)۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے مومن بندوں پر یہ احسان ہے کہ اس نے انہیں نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کا حکم دیا: ”تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الیثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب“ (سورہ مائدہ: ۲) (نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو، گناہ اور سرکشی پر تعاون نہ کرو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، بلاشبہ اللہ شدید سزا دینے والا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو ایک دوسرے کا دینی بھائی بنایا تا کہ ہر بھائی اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے: ”واللہ لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ“ (خدا کی قسم تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے)۔

میرے لئے خوشی و مسرت کی بات ہے کہ اسلامک فکد اکیڈمی انڈیا کے ذمہ داروں کی

گزارش قبول کرتے ہوئے اسلام میں وقف کی اہمیت، معاشرہ کی ترقی کے لئے اس کی ضرورت اور سماج کے معاشی مسائل کے حل میں اس کے کردار کے موضوع پر ایک مقالہ لکھوں، خاص کر اس لئے بھی کہ یہ حضرات ہندوستانی معاشرہ کو درپیش موجودہ مسائل کے حل کے لئے اسلامی اوقاف قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ان مسائل میں سرفہرست یتیموں، مطلقہ عورتوں اور بیواؤں کے حالات و مسائل ہیں، اسی طرح مریضوں کا علاج، مختلف سماجی شعبوں کے تقاضے، صحت کے مسائل نیز تعلیم و تربیت اور دعوت و تبلیغ کی ضروریات بھی ان میں شامل ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وقف انفاق فی سبیل اللہ کے میدان سے متعلق اسلام کی معروف ترین سنتوں میں سے ایک ہے، یہ اپنی حقیقت و منہج کے اعتبار سے ایک انوکھا اسلامی انتظام ہے۔ یہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے صدقہ جاریہ ہے اور منہج کے لحاظ سے صدقہ کے تسلسل اور صدقہ کے ماخذ کے دوام کا جامع ہے۔ یہ صدقہ کا ماخذ عین وہ شئی ہے جو بلند دینی تعلیمات و قوانین کے مطابق صدقہ کی جائے۔ یہ تعلیمات زندگی کے مسائل میں انسان کی مدد کرتی ہیں۔ وقف نے تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف اسلامی معاشروں کی ترقی اور تکافل میں اہم کردار ادا کیا ہے، یہ ہر زمان و مکان میں اپنا یہی زبردست کردار ادا کرنے پر قادر ہے اگر اسے نبی اکرم ﷺ اور صحابہؓ کے طریقہ کے مطابق شرعی بنیادوں پر روبہ عمل لایا جائے۔

پیش نظر مقالہ مندرجہ ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

مبحث اول: فقہ الوقف: اس میں اختصار کے ساتھ موضوع کے فقہی زاویہ پر

روشنی ڈالی گئی ہے، اس کا مقصد وقف کے سلسلہ میں فقہی اجتہادات کی وضاحت کرنا نیز یہ اجاگر کرنا ہے کہ وقف کے مسائل میں فقہی احکام اور علماء کی آراء اور ان کے مسالک میں بے حد لچک پائی جاتی ہے۔

مبحث دوم: معاشرہ کی ترقی میں رفاہی اوقاف کا مقام: اس میں اسلامی

معاشرہ کو ترقی دینے، آگے بڑھانے، امداد باہمی اور افراد کے تعاون میں رفاہی اوقاف کے مقام و مرتبہ کی توضیح کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اسلامی معاشروں میں اوقاف اب بھی یہ کردار ادا کر سکتے ہیں۔

مبحث سوم اور چہارم میں چند متعین موضوعات پر بحث کی گئی ہے، چنانچہ **مبحث سوم** کا موضوع بیماروں، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کے لئے اوقاف کی اہمیت ہے، اس میں بطور خاص سوسائٹی کے مذکورہ طبقات سے متعلق شرعی احکام کی طرف بھی اشارے کئے گئے ہیں۔

مبحث چہارم میں دعوت و تبلیغ اور تعلیمی میدانوں میں اوقاف کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس میں علم کا مقام واضح کیا گیا ہے نیز یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی اشاعت کے لئے مسلمانوں کو اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے، اسی طرح یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے دور عروج میں کتابوں کی تالیف، نشر و اشاعت اور لائبریریوں اور دارالعلوموں کے قیام میں وقف کا کیا کردار رہا ہے۔

بحث کے اختتام میں ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش اقتصادی، ترقیاتی اور سماجی مسائل کے حل کے لئے اسلامی اوقاف کے قیام کی تشکیل و تاسیس سے متعلق چند اہم سفارشات ذکر کی گئی ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اس کام کو اپنی رضا کے لئے خاص کر لے اور سب کو کتاب و سنت کے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، سب کی محنتوں کو بابرکت بنائے اور ان کو درست راستہ کی رہنمائی فرمائے۔

مبحث اول - فقہ الوقف

اسلام میں وقف کی ضرورت و اہمیت اور اسلامی معاشرہ کی ترقی میں اس کے کردار پر گفتگو کرتے وقت شاید اس طرف اشارہ کرنا بھی اہم ہوگا کہ امت مسلمہ ایک متبع امت ہے نہ کہ مبتدع (بدعتی)، اس لئے ضروری ہے کہ وقف سے متعلق بعض فقہی احکام کی واقفیت حاصل کی جائے، اس کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا ارادہ ہے کہ ہندوستانی معاشرہ کی ضرورت کے میدانوں سے دلچسپی لینے والے اسلامی اوقاف قائم کرے۔ یہ میدان اور گوشے صحت، سماج، تعلیم و تربیت، ترقی اور دعوت و تبلیغ سے متعلق ہیں۔ وقف سے متعلق فقہی احکام کا جاننا اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ اس قسم کے اوقاف کا قیام شرعی طور پر درست، کتاب و سنت کے مطابق اور صحابہؓ کے عمل پر مبنی ہو، کیونکہ ان اوقاف کی درست شرعی بنیاد ہی ان کے تحفظ اور ان کے دوام و بقاء کی ضامن ہے، کیونکہ صحیح آغاز اور درست مقدمات کا نتیجہ بالعموم بہتری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ اس مقالہ میں وقف کے موضوع سے متعلق بعض فقہی پہلوؤں سے اختصار کے ساتھ تعرض کیا جائے گا، جیسے وقف کی لغوی و اصطلاحی تعریف، کتاب و سنت اور عمل صحابہؓ سے اس کی شرعی دلیلیں، اس کی مشروعیت کی حکمت اور وقف کے ارکان و شرائط وغیرہ۔

اول - وقف کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

الف - لغوی تعریف: لغت میں وقف کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ وقف یقف بمعنی "حبس" کا مصدر ہے، تحبیس اور تسبیل اس کے مترادف ہیں، کہتے ہیں: "وقف الدار للمساکین وقفاً" یعنی میں نے گھر کو مسکینوں کے لئے روک دیا۔ "وقف الدابة" یعنی میں نے سواری کو روک لیا، لیکن "أوقفت" کہنا درست نہیں، یہ غیر فصیح لغت ہے، علماء لغت

نے اسے ناپسند کیا ہے، چنانچہ فیروز آبادی کہتے ہیں کہ فصیح کلام میں اوقف یا تو سکت (وہ خاموش رہا) یا امسک و اقلع (رک گیا) کے معنی میں آتا ہے، جوہری نے کہا کہ کلام عرب میں اوقف صرف ایک معنی میں آتا ہے جیسے ”اوقفت عن الامر الذي كنت فيه“ (میں جس کام میں لگا تھا اس سے رک گیا)، راغب نے کہا ہے: لغت میں اس کے معنی ہیں: حرکت سے روک دینا، لغت کی رو سے یہ کبھی حسی ہوتا ہے، مثلاً وقفت الدار اور کبھی معنوی مثلاً ”وقفت جهودي لاصلاح الناس“ یعنی میں نے اپنی کوششیں لوگوں کی اصلاح پر مرکوز کر دیں۔

ب۔ اصطلاحی تعریف: وقف کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہے جیسا کہ اس کے ارکان و شروط میں مختلف فقہی مذاہب کے درمیان اختلاف ہے۔ میں یہاں مذاہب اربعہ کی بعض تعریفات اختصار سے بیان کروں گا:

مذہب حنفی: مرغینانی نے اس کی تعریف یوں کی ہے: وقف کسی شیء کو اللہ کی ملکیت قرار دے کر روک لینا اور اس کے منافع کو صدقہ کر دینا ہے۔

مذہب مالکی: اقرب المسالک میں ہے کہ یہ مالک کا اپنی مملوک شیء کی منفعت کو اگرچہ اجرت کے ساتھ ہو یا اس کی آمدنی کو مخصوص عبارت کے ذریعہ اتنی مدت تک کے لئے جتنی وہ مناسب سمجھے کسی مستحق کے لئے خاص کر دینا ہے۔

مذہب شافعی: ربی نے اس کی تعریف یوں کی ہے: یہ ایسے مال کو جس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو، اصل کو باقی رکھتے ہوئے، اس کی ملکیت میں تصرف کئے بغیر کسی موجود اور مباح مصرف کے لئے روک لینا ہے۔

مذہب حنبلی: ابن قدامہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے: یہ اصل کو روک لینا اور ثمرات کو اللہ کے راستہ میں دینا ہے۔ یہ تعریف نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے ماخوذ

ہے جو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا: ”حبس الأصل و سبل الثمرة“ (اصل کو باقی رکھو اور پھل کو خرچ کرو)۔

اسلام میں وقف چونکہ شرعی معاملات میں سے ہے، اس لئے اعتبار عملی معانی کا ہوگا، الفاظ اور حروف کا نہیں، یہاں وہ تعریف زیر بحث ہے جو معاملات کی صورتوں اور عملی صورت حال سے ہم آہنگ ہو، عملی لحاظ سے میں جس تعریف کو بہتر سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ”مالک شیء مملوک میں اپنا تصرف روک دے اور اس کی آمدنی یا منافع کو صدقہ کر دے“۔

دوم - وقف کی مشروعیت

وقف انفاق فی سبیل اللہ کے اہم ترین، سب سے زیادہ باعث اجر، سب سے زیادہ مفید اور سب سے زیادہ دیر پا طریقوں میں سے ایک ہے، اس کی مشروعیت کے بارے میں کتاب و سنت سے بہت سی نصوص وارد ہیں، اکثر اہل علم کے نزدیک وہ مشروع ہے، جمہور علماء کی رائے اس کے مشروع اور لازم ہونے کی ہے۔

یہ اسلام کی خصوصیات میں سے ہے، کیونکہ یہ نیکی اور خیر کے کاموں میں سے ہے اور ان بڑی عبادتوں میں سے ہے جن کے ذریعہ بندہ اللہ سبحانہ کی قربت حاصل کرتا ہے۔

ابن قدامہ کہتے ہیں: سلف اور ان کے بعد کے اکثر اہل علم وقف کو درست سمجھتے ہیں، صرف شریح وقف کے قائل نہیں ہیں جو فرماتے ہیں کہ مال میں اللہ تعالیٰ نے حقوق متعین کر دیئے ہیں، ان کو نظر انداز کرنا اور مال کو روکنا جائز نہیں۔

ابن رشد کہتے ہیں: وقف ایک جاری سنت ہے، اس پر نبی ﷺ اور آپ کے بعد کے مسلمان عامل رہے ہیں، اس کی مشروعیت پر کتاب و سنت اور اجماع دلالت کرتے ہیں۔

الف - قرآن سے وقف کی دلیلیں

کتاب اللہ میں متعدد نصوص اور بہت سی ایسی آیات ہیں جو انفاق کی مشروعیت اور عمل

خیر پر آمادہ کرتی ہیں اور خیر کے کاموں میں سب سے اہم عمل وقف ہے۔ یہ نصوص درج ذیل ہیں:

”لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ“ (آل عمران: ۹۲) (تم ہر گز نیکی نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز خرچ نہ کرو اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے)۔

نیز فرمایا:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ“ (بقرہ: ۲۶۷) (اے ایمان والو! جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو اور اس میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں اور خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو کہ اس میں سے خرچ کرو گے حالانکہ تم خود بھی اس کے لینے والے نہیں ہو۔ بجز اس صورت کے چشم پوشی ہی کر جاؤ اور جانے رہو کہ اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے)۔

”إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لَأَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُوقِ شَحْ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ إِنْ تَقْرَضُوا مِنَ اللَّهِ قَرْضًا حَسَنًا يضاعفه لَكُمْ وَيَغْفِرَ لَكُمْ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ“ (تغابن: ۱۵-۱۷) (تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے، لہذا جہاں تک تمہارے بس میں ہو، اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور اطاعت کرو، اور اپنے مال خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے، جو اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے، بس وہی فلاح پانے والے ہیں، اگر تم اللہ کو قرض حسن دو، تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا، اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا، اللہ بڑا قدر دان اور بردبار ہے)۔

اور فرمایا:

”وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يَكْفُرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ“ (آل عمران: ۱۱۵)
(اور جو بھی نیک کام یہ کریں گے، اس سے ہرگز محروم نہ کئے جائیں گے اور اللہ پر ہیزگاروں کو
خوب جانتا ہے)۔

اور فرمایا:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ“ (حج: ۷۷) (اے ایمان والو! رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو، اور اپنے پروردگار
کی عبادت کرتے رہو، اور نیکی کرتے رہو تا کہ فلاح پا جاؤ)۔

اور فرمایا:

”مَثَلُ الَّذِينَ يَنْفَقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَتَتْ سَبْعَ
سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سَنَابِلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ“ (بقرہ: ۲۶۱)
(جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں، ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ
ایک دانہ ہے کہ اس سے سات بالیاں اگیں، ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں، اور اللہ جسے چاہے
افزونی دیتا رہتا ہے، اور اللہ بڑا وسعت والا ہے، بڑا علم والا ہے)۔

ب۔ سنت سے وقف کی دلیلیں

وقف کی مشروعیت سے متعلق بہت ساری احادیث اور بے شمار روایات وارد ہیں، یہ
عمومی یا خصوصی طور پر وقف کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں، یہ قولی بھی ہیں اور فعلی بھی۔ خصاف
نے ان میں سے بہت سی نصوص کو اپنی کتاب ”احکام الاوقاف“ میں بیان کیا ہے، ان میں سے
بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں:
حضرت عمر کو خیبر میں ایک زمین ملی، اس کے بارے میں مشورہ کے لئے وہ نبی ﷺ کے پاس

آئے اور بولے: یا رسول اللہ مجھے خیبر میں ایک ایسی زمین ملی ہے جس سے عمدہ کبھی کوئی مال نہیں ملا، اس بارے میں آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہو تو اصل کو روک کر اسے صدقہ کر دو، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ صدقہ (وقف) کر دیا اس نیت کے ساتھ کہ اس کی اصل نہ فروخت کی جائے گی، نہ خریدی جائے گی، نہ اس میں وراثت جاری ہوگی اور نہ وہ بطور ہبہ کسی کو دی جائے گی۔ یہ وقف فقراء، قرابت داروں، غلاموں، فی سبیل اللہ، مسافر اور مہمانوں کے لئے تھا، اس کے ذمہ دار کو دستور کے مطابق اس میں سے لینے کی اجازت تھی، اسی طرح اس سے غیر متمول دوست کو کھلانے کی بھی اجازت تھی (بخاری)۔

نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ وقف کی اصل درست ہے، نیز اس بات کی بھی کہ یہ جاہلیت کے شائبوں سے پاک ہے، یہی ہمارا اور جمہور کا مسلک ہے۔ اس پر مسلمانوں کا یہ اجماع بھی دلیل ہے کہ مساجد اور سقایات (آب رسانی کے ذرائع) کا وقف درست ہے۔

۲۔ مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إذا مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جاریة أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له" (صحیح مسلم) (جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے البتہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کا اجرا سے ملتا رہتا ہے: صدقہ جاریہ، مفید علم اور نیک اولاد کی دعائیں)، نووی نے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں وقف کی بنیاد کے صحیح ہونے اور اس کے باعث ثواب ہونے کی دلیل ہے۔

ج۔ اجماع سے وقف کی دلیلیں

اس کی مشروعیت پر علماء کا اجماع ہے، اسے رافعی اور ابن قدامہ نے بیان کیا ہے۔ رافعی کہتے ہیں: وقف پر صحابہؓ کا قولی اور فعلی اتفاق مشہور ہے۔

ابن قدامہ نے کہا: جابر فرماتے ہیں کہ صحابہؓ میں کوئی بھی وسعت والا شخص ایسا نہ تھا جس نے وقف نہ کیا ہو، اس پر ان کا اجماع ہے کہ ان میں جو بھی وقف پر قادر تھا اس نے وقف کیا اور یہ چیز مشہور ہوئی، اس پر کسی نے بھی نکیر نہیں کی، لہذا اجماع ثابت ہو گیا۔

حدیث عمرؓ پر ترمذیؒ نے یہ حکم لگایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، صحابہ اور دیگر اہل علم کے نزدیک اس پر ہی عمل ہے، ہم ان کے متقدمین میں زمین وغیرہ کے وقف کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں پاتے (سنن الترمذی)۔

سوم - وقف کی مشروعیت کی حکمت

یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ اسلامی قوانین اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ ایک مسلمان کا اپنے خالق جل شانہ سے تعلق مضبوط ہونا چاہئے۔ اس تعلق کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی توحید خالص، تنہا اسی کی معبودیت اور تمام اقوال و افعال میں صرف اسی کے قصد پر ہونی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی احکام نازل کئے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی خاطر انسانوں سے باہم محبت کی بنیاد پر مسلمان آپس میں اپنے رشتے مضبوط کریں۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان سے تعلق کو مضبوط بنانے، اس کی خبر گیری اور اس کی حاجت روائی کے اصول تک پہنچانے والے وسائل میں سے وقف ہے، اس کی حکمتیں عظیم اور اس کے مقاصد بلند ہیں، یہ حکمتیں اور مقاصد مسلمانوں کے عام و خاص مصالح کے دائرہ میں پورے ہوتے ہیں۔ نصوص شرعی واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلامی شریعت بندوں کی مصلحتوں کے لئے وضع کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”رسلا مبشرين ومنذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل وكان الله عزيزا حكيما“ (نساء: ۱۶۵) (اور پیغمبروں کو ہم نے بھیجا خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کرتا کہ لوگوں کے لئے پیغمبروں کے آنے کے بعد اللہ کے سامنے عذر نہ باقی رہ جائے اور اللہ تو ہے ہی بڑا زبردست بڑا حکمت والا) اور فرمایا: ”وما أرسلناك إلا رحمة

للعالمین“ (انبیاء: ۱۰۷) (اے نبی ہم نے آپ کو تمام دنیا والوں کے لئے صرف رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے)۔

اسلام میں احکام شرع کی تکلیف کی بنیاد مخلوق سے متعلق شرعی مقاصد کی حفاظت پر ہے۔ یہ مقاصد تین ہیں:

۱۔ ضروری، ۲۔ حاجی، ۳۔ تحسینی۔

ضروری مقاصد کا مفہوم یہ ہے کہ دین و دنیا کے مصالح کے لئے ان کی تکمیل ضروری ہو، ان کی حفاظت دو چیزوں سے ہوگی: ایک اس ذریعہ سے جس سے اس کے ارکان و قواعد کو مضبوط کیا جاسکے اور دوسرے اس ذریعہ سے جس کے سہارے وقوع پذیر یا متوقع خرابی کو دور کیا جاسکے، یعنی سلبی طور پر مقاصد کی رعایت۔

ضروریات مجموعی طور پر پانچ ہیں:

۱۔ دین کی حفاظت، ۲۔ جان کی حفاظت، ۳۔ نسل کی حفاظت، ۴۔ مال کی حفاظت، ۵۔ عقل کی حفاظت۔

جہاں تک حاجی مقاصد کی بات ہے تو ان کا مفہوم یہ ہے کہ توسیع کے پہلو سے ان کی ضرورت ہو اور ان کے ذریعہ اس تنگی کو رفع کیا جائے جو غلشی طور پر حرج میں مبتلا کرتی ہے اور جس سے مطلوب فوت ہو جائے، ان کا لحاظ نہ رکھا جائے تو مکلفین بالجملہ حرج و مشقت میں مبتلا ہو جاتے ہوں، البتہ یہ حرج مصالح عامہ میں متوقع عمومی فساد کے درجہ میں نہیں ہوتا۔

تحسینی مقصد یہ ہے کہ اچھی عادات و اخلاق کو لیا جائے اور عقل سلیم جن بری چیزوں سے ابا کرتی ہو ان سے اجتناب کیا جائے، اس میں مکارم اخلاق بھی آ جاتے ہیں، جن چیزوں پر حاجی اور ضروری مقاصد منطبق ہوتے ہیں ان ہی پر تحسینی بھی منطبق ہوتے ہیں مثلاً عبادات میں نفل نمازیں اور تمام سنتیں، زینت و جمال، خیر کے کام کرنا، صدقات، احسان تقرب وغیرہ کے دوسرے کام۔

ان چیزوں میں وقف سماج کے احوال و ظروف کے مطابق شامل ہے۔

وقف صدقات، زکاۃ، ہدیے اور خیرات وغیرہ میں انفاق کی صورتیں متنوع ہیں۔ شریعت اسلامی نے مسلمان کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ انفاق کی جس مشروع صورت کو چاہے اختیار کر لے۔ تاہم انفاق کی سب سے افضل صورت وہ ہے جس کا فائدہ عام ہو، جو برقرار اور جاری رہے، وقف میں میں عمومی فائدہ اور نفع ہے، اسی وجہ سے وہ ان عباداتی کاموں میں سے ہو گیا جن سے اللہ کی قربت حاصل ہوتی ہے، قرآن کریم نے متعدد آیات میں اس پر ابھارا ہے، چنانچہ فرمایا: "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون وما تنفقوا من شیء فان اللہ بہ علیم" (آل عمران: ۹۲) (جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کرو گے نیکی کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکو گے)۔ اسی طرح فرمایا: "مثل الذین ینفقون أموالہم فی سبیل اللہ کمثل حبة أنبت سبع سنابل فی کل سنبلة مائة حبة واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیم" (بقرہ: ۲۶۱) (جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں، ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اس سے سات بالیس اگیں، ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں، اور اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے، اور اللہ بڑا وسعت والا ہے، بڑا علم والا ہے)۔

نبی ﷺ نے فرمایا: "إذا مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلاثة: وعدہ منها صدقة جاریہ" (مسلم) (جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا ہر عمل منقطع ہو جاتا ہے، بجز تین کے: ان میں سے آپ نے صدقہ جاریہ کا شمار فرمایا)۔ وقف دو وجوہ سے بقیہ صدقات اور ہدایا سے ممتاز ہے:

پہلی وجہ: اس کا تسلسل۔

دوسری وجہ: اس کی پائنداری۔

پہلی وجہ: وقف کے تسلسل کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ وہ ان ابواب خیر میں سے ہے جن کا اجر و ثواب جاری رہتا ہے، جیسا کہ حدیث گزری کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا ہر عمل منقطع ہو جاتا ہے، بجز تین کے، صدقہ جاریہ.... واقف کی جانب سے وقف سے یہی مقصود ہوتا ہے۔

دوسرا پہلو خیر اور نیکی کے کاموں میں اس کے فائدہ کا تسلسل ہے جو کہ ملکیت کی منتقلی سے بھی منقطع نہیں ہوتا، امت کے اس سے مستفید ہونے کی جہت سے وقف کا یہی مقصود ہے۔

دوسری وجہ: یعنی وقف کی پائیداری جس کے معنی یہ ہیں کہ وقف ایک مستقل اسلامی مالیاتی ادارہ ہے جو اس میدان میں خرچ کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے جس کے لئے وقف ہوتا ہے، امت کو جب شدید حالات و مصائب پیش آتے ہیں اس وقت اس کی زبردست خدمت کرتا ہے، وقف اعمال خیر کے تسلسل اور پائیداری کا ذریعہ ہے، کیونکہ دعوتی، تعلیمی اور ریلیف کے کاموں نیز مدارس و مساجد پر خرچ کرنے میں اس کا بڑا کردار ہے۔

وقف کے ہونے سے وہ خدمات اور امت کے وہ فرائض اور سرگرمیاں نہیں رکھتیں جو کم آمدنی اور کم اتفاق سے رک سکتی تھیں۔ فقہاء نے وقف کی مشروعیت کی مندرجہ ذیل حکمتیں بیان کی ہیں:

- ۱- وقف کے ذریعہ مسلمانوں کے امداد باہمی کے اصول پر عمل ہوتا ہے۔
- ۲- اس کے ذریعہ امت کے مصالح اور اس کی ضرورتیں انجام پاتی ہیں اور اس کی ترقی و نمو پذیری میں مدد ملتی ہے۔

- ۳- اس میں مال کی بقاء اور اس سے دائمی انتفاع کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔
- ۴- یہ گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور اس سے اجر و ثواب کا حصول ہوتا ہے۔
- ۵- اس سے نیکی و خیر کے کاموں کو دوام ملتا ہے۔

۶۔ وقف کے ذریعہ مال کو کھلواڑ سے بچایا جاسکتا ہے مثلاً اولاد کی فضول خرچی یا رشتہ دار کے غلط تصرف سے۔

مجموعی حیثیت سے وقف سے وسیع پیمانے پر اجتماعی مقاصد و اہداف کی تکمیل ہوتی ہے، خیر کے وسیع الاطراف کام کیے جاسکتے ہیں، اسلامی معاشرہ کی ضروریات و مطالبات جیسے بھی ہوں ان میں مختلف طرح سے وقف کا استعمال ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اخروی اجر و ثواب تو ہے ہی۔

چہارم۔ ارکان وقف

کسی شے کا رکن اس کا وہ جز و لازم ہوتا ہے جس کے بغیر اس کا تحقق نہ ہوتا ہو، کسی معاملہ کا رکن وہ جز ہے جس کے بغیر وہ عقد و جود پذیر نہ ہو، ارکان وقف کے بیان میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، حنفیہ کی رائے ہے کہ یہ ہر وہ لفظ ہے جو وقف پر دلالت کرے۔ جمہور نے اس کے مندرجہ ذیل ارکان بتائے ہیں:

۱۔ واقف، ۲۔ جس پر وقف کیا جائے، ۳۔ موقوف، ۴۔ صیغہ وقف۔

ابن نجیم البحر الرائق میں لکھتے ہیں کہ وقف کا رکن وہ الفاظ ہیں جو وقف پر دلالت کریں۔

خرشی لکھتے ہیں: وقف کے ارکان چار ہیں: عین موقوفہ، صیغہ وقف، واقف، موقوف علیہ۔

نووی نے کہا: اس کے ارکان چار ہیں: واقف، موقوف، موقوف علیہ اور صیغہ وقف۔ غایۃ المنتہی اور اس کی شرح مطالب اولیٰ النہی میں ہے کہ وقف کے ارکان چار ہیں: واقف، موقوف علیہ، وہ لفظ جس کے ذریعہ وقف کیا جائے اور عین موقوفہ، فقہاء نے ان الفاظ کی دو قسمیں کی ہیں جن سے وقف منعقد ہوتا ہے:

پہلی قسم: صریح الفاظ یعنی جو وقف پر بغیر کسی قرینہ کے دلالت کریں اس طور پر کہ وہ اسی معنی میں استعمال ہوتے ہوں، وہ یہ ہیں: وقف، جس، تسبیل، وقف کا لفظ تو اسی کے لئے موضوع لہ اور اسی سے معروف ہے، تحبیس اور تسبیل عرف شرع میں وقف کے لئے ثابت ہیں، مثلاً نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: "حبس الأصل وسبل الثمرة" (اصل کو روک کر اس کے پھل کو وقف کر دو)۔

مختصر خلیل اور اس کی شرح الشرح الصغیر میں ہے: چوتھا رکن صریح صیغہ ہے جیسے وقف، حبست، یا سبلت ہے۔ شیرازی نے لکھا ہے: وقف، حبس اور تسبیل یہ صریحی صیغے ہیں، ابن قدامہ نے مقنع میں لکھا ہے: وقف کا صریح صیغہ وقف، حبست اور سبلت ہے۔ حنفیہ کی یہ رائے اوپر گزر چکی ہے کہ وہ وقف کے ارکان کو صیغہ میں محصور کرتے ہیں۔ خرقی کا کہنا ہے: اگر یوں کہے کہ میں نے فقراء اور مساکین یا طلبہ علم وغیرہ کے لئے صدقہ کیا، تو وقف صحیح اور ہمیشہ کے لئے ہو جائے گا بشرطیکہ اس نے اس میں اس قسم کی کوئی قید لگا دی کہ اسے نہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے۔

شیرازی نے کہا: لفظ "تصدق" وقف کا کنایہ ہے، کیونکہ یہ لفظ صدقہ نافلہ اور وقف کے مابین مشترک ہے، اس لئے صرف اس لفظ سے وقف کرنا صحیح نہ ہوگا، البتہ اگر وقف کی نیت یا مندرجہ ذیل پانچ الفاظ میں سے کوئی لفظ اس سے جوڑ دے مثلاً کہے: "تصدقت بہ صدقۃ موقوفۃ أو محبوسۃ أو مسبلة أو مؤبدۃ أو محرمة" تو وقف ہو جائے گا یا تصدق کے ساتھ وقف کا حکم بیان کر دے، مثلاً کہے: یہ وہ صدقہ ہے جسے نہ بیچا جاسکتا ہے نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے نہ وراثت میں دیا جاسکتا ہے، تب بھی وقف ہو جائے گا، کیونکہ ان قرائن کے ساتھ اور کوئی احتمال باقی نہ رہے گا۔

دوسری قسم: الفاظ کنائی کی ہے، جن میں وقف کے علاوہ دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو،

جیسے صدقہ، نذر تو ان الفاظ سے وقف تبھی صحیح ہوگا جب ان کے ساتھ وقف کے معنی پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ بھی جوڑا جائے۔

ابن قدامہ کہتے ہیں: وقف کا کنایہ تصدقت، حرمت اور ابدت جیسے الفاظ ہیں، کنایہ سے وقف صحیح نہ ہوگا الا یہ کہ اس کی نیت ہو یا دوسرے الفاظ میں سے کوئی لفظ اس سے ملایا جائے یا وقف کا حکم بیان کیا جائے، مثلاً کوئی شخص کہے: میں نے صدقہ موقوفہ کر دیا یا موقوفہ کے علاوہ محبسة، مسبلہ، محرمة یا مؤبدہ جیسے الفاظ استعمال کرے یا ساتھ میں یوں کہہ دے: اسے بیچا نہ جائے گا، نہ ہبہ کیا جائے گا اور نہ اس میں وراثت چلے گی۔

ابن قدامہ الشرح الکبیر میں لکھتے ہیں: اگر کنایات کے ساتھ تین میں سے کوئی چیز جوڑ دی جائے تو کنایہ کے لفظوں سے بھی وقف صحیح ہو جائے گا۔ وہ یہ ہیں:

۱۔ واقف وقف کی نیت کرے، تو نیت سے وہ باطن میں وقف ہو جائے گا، ظاہر میں

نہیں۔

۲۔ یہ کہ اس میں کوئی لفظ پانچوں الفاظ میں سے جوڑ دیا جائے مثلاً کہے: صدقہ

موقوفہ، یا محبسة، یا مسبلہ یا مؤبدہ یا محرمة۔

۳۔ یہ کہ واقف وقف کو اس کی صفات سے متصف کرے، مثلاً کہے: ”صدقۃ لا

تباع، ولا توهب لا تورث“، اسی پر اکتفا کرے، کیونکہ ملزوم کا ذکر لازم کے صریح ذکر سے

بے نیاز کر دیتا ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کا کوئی بھی لفظ کسی مخصوص جہت میں مال وقف کرنے والا

ہی استعمال کرے گا۔

پنجم۔ وقف بالفعل کا حکم

اس بحث سے وقف بالفعل کا حکم بھی تعلق رکھتا ہے، اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ،

مالکیہ اور حنابلہؒ یہ کہتے ہیں کہ وقف بالفعل ثابت ہو جائے گا، اگر اس کے ساتھ ایسے قرآن پائے

جائیں جو وقف پر دلالت کریں مثلاً واقف کوئی مسجد بنوادے اور اس میں نماز کی اجازت دے دے۔

مذہب حنفی: مرغینانی فرماتے ہیں کہ اگر مسجد بنادے گا تو اس سے اس کی ملکیت زائل نہ ہوگی جب تک اپنے طریقہ سے اسے ملکیت سے نکال نہ دے اور اس میں لوگوں کو نماز کی اجازت نہ دے دے۔ اگر کسی ایک نے نماز پڑھ لی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی، اسے ملکیت سے نکالنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص نہ ہوگی۔ اس میں نماز کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ حوالگی ضرور ہے اور تنہا ذبح کی شرط ہے جو کہ مسجد ہونے کی صورت میں اس میں نماز سے ہی پوری ہوگی یا اس سے کہ جب قبضہ دشوار ہو تو قبضہ کی جگہ اس کے مقصود کا تحقق لے لے گا پھر اس میں ایک کی نماز بھی کافی ہوگی، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ سے منقول ایک روایت ہے، کیونکہ پوری جنس کا عمل دشوار ہے کہ ایک جماعت کے ذریعہ نماز کی ادائیگی کی شرط لگائی جائے، کیونکہ مسجد تو بالعموم اسی کے لئے بنائی ہی جاتی ہے، امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اس کے قول میں نے اسے مسجد کے لئے کر دیا“ سے اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔

مالکی مذہب: دسوقی شرح کبیر کے اپنے حاشیہ میں وقف کے صیغہ کے سلسلہ میں خلیل کے قول: حبست و وقف کے ضمن میں لکھتے ہیں: ایسے الفاظ جو حبست و وقف کے قائم مقام ہوں، مثلاً تخلیہ کہ مسجد بنائے اور اس کے اور لوگوں کے بیچ تخلیہ کر دے، اگرچہ مسجد کچھ لوگوں کے لئے مخصوص نہ ہو، نہ یہ تخصیص ہو کہ اس میں فرض پڑھی جائے نفل نہیں، لہذا مسجد بنا کر اس میں لوگوں کو نماز کی اجازت دینا بھی وقف کی تصریح کے مثل ہوگا۔ اگرچہ کسی وقف یا افراد کی تخصیص نہ ہو، ایسے ہی اگر نماز کو مقید نہ کرے کہ فرض ہی ہو، تو پھر کسی چیز کی ضرورت نہ ہوگی اور اس پر وقف کا حکم لگایا جائے گا۔

شافعی مذہب: شیرازی کہتے ہیں: وقف صرف قول کے ذریعہ ہی درست ہے، لہذا اگر واقف نے کوئی مسجد بنوائی اور اس میں نماز ادا کی یا لوگوں کو اس میں نماز ادا کرنے کی اجازت دی تو یہ وقف نہیں ہوا۔

نودی کہتے ہیں: اگر مسجد کی طرز کی کوئی عمارت بنوائی یا کسی اور طرز کی کوئی عمارت بنوائی اور اس میں لوگوں کو نماز ادا کرنے کی اجازت دی تو وہ مسجد نہ ہوگی، اسی طرح اگر اپنی ملکیت میں تدفین کی اجازت دی تو اس سے وہ زمین قبرستان نہ ہوگی خواہ اس جگہ میں نماز ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، اسی طرح اس میں تدفین ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

حنبلی مذہب: ابن قدامہ کہتے ہیں کہ امام احمد کے مذہب کا ظاہر یہ ہے کہ وقف بالفعل اس پر دلالت کرنے والے قرائن کے ذریعہ ثابت ہو جاتا ہے، مثلاً مسجد بنائی اور اس میں لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دی، یا مقبرہ بنایا اور اس میں دفن کرنے کی اجازت دی یا پانی کی سبیل بنائی اور اس سے پینے کی لوگوں کو اجازت دی، کیونکہ امام احمد نے ابو داؤد اور ابوطالب کی ایک روایت میں ایسے آدمی کے بارے میں جس نے مسجد میں کوئی مکان داخل کر دیا اور نماز کی اجازت دی، کہا ہے کہ اسے رجوع کا حق نہ ہوگا، یہی حکم اس کا ہوگا جس نے قبرستان بنایا یا سبیل بنوائی اور لوگوں کو استعمال کی اجازت دے دی، اسے بھی رجوع کا حق نہ ہوگا۔

راجح یہی ہے کہ ایسی صورتوں میں اگر قرائن ہوں تو بالفعل وقف ثابت ہو جائے گا، کیونکہ عرف میں اس کا اعتبار ہے اور عرف میں اس پر وقف کی دلالت ہے، لہذا قول کی طرح عرف سے بھی وقف ثابت ہونا چاہیے مثلاً کسی نے اپنے مہمان کے سامنے کھانا پیش کیا تو عرف میں یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے کھانے کی اجازت دے دی، کسی نے راستہ میں پانی کا مٹکا رکھ دیا تو سمجھا جائے گا کہ اس نے یہ فی سبیل اللہ دے دیا ہے۔ کسی نے لوگوں میں کچھ بکھیر دیا تو سمجھا جائے گا کہ یہ اس کو لینے کی اجازت ہے، اسی طرح حمام میں داخل ہونا اور اس کا پانی بغیر اجازت

کے استعمال کرنا دلالت حال کی وجہ سے مباح ہوگا۔ تو جس طرح بغیر لفظ بولے لین دین سے بچ ہو جاتی ہے اور دلالت حال سے ہبہ اور ہدیہ صحیح ہو جاتا ہے، اسی طرح یہاں وقف بھی ہو جائے گا۔

مبحث دوم

سماج کی ترقی میں رفاہی اوقاف کی اہمیت اور ان کا مقام

بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت زیادہ اور بے شمار ہیں، اس نے فرمایا: "وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها إن الله غفور رحيم" (نحل: ۱۸) (اگر اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو گن نہ سکو گے، بلاشبہ اللہ غفور اور رحیم ہے)۔ ان نعمتوں میں سب سے بڑی اور عظیم تر اسلام کی نعمت ہے، اللہ نے فرمایا: "يَمْنُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمْنُوا عَلَيَّ إِلَّا مَعَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنْ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" (حجرات: ۱۷) (یہ لوگ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان سے کہو اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر اپنا احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی۔ اگر تم واقعی اپنے دعوائے ایمان میں پے ہو)۔

اللہ کی نعمتیں تمام احوال، گوشوں اور میدانوں میں متعدد اور متنوع ہیں، یہ زبردست نعمتیں، عظیم احسانات اور بے شمار انعامات تمام ہی لوگوں کے لئے عام ہیں اور زندگی کے ہر چھوٹے بڑے، خفیہ، علانیہ اور ماضی، حال و مستقبل اور کائنات کی تمام باریکیوں کو محیط ہیں۔

مسلمان بندوں پر اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے یہ ہے کہ ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، آپ ﷺ اللہ رب العالمین کے پاس سے ایک متوازن شریعت لے کر آئے جس سے لوگوں

کے دنیا و آخرت کے امور درست ہوں اور انہیں صراطِ مستقیم کی رہنمائی ملے۔ اللہ نے فرمایا: ”ہو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلو علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین“ (جم: ۲) (وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا، جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے، اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے)۔ اللہ نے ان کے لئے دین کی تکمیل کی اور ان پر دین کا اتمام کیا، فرمایا: ”الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا“ (آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا، اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے بطور پسند کر لیا)۔ انھیں خیر امت بنایا جسے لوگوں کے لئے نکالا گیا ہے، اسی طرح فرمایا: ”کنتم خیر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون باللہ ولو آمن أهل الكتاب لکان خیرا لہم منهم المؤمنون وأکثرہم الفاسقون“ (آل عمران: ۱۱۰) (تم لوگ بہترین جماعت ہو، جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اہل کتاب بھی اگر ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہت خوب ہوتا، ان میں سے کچھ تو ایمان والے ہیں مگر اکثر ان میں سے نافرمان ہیں)۔ اس دین کی تکمیل یہ ہے کہ یہ زندگی کے تمام گوشوں کو محیط اور اس میں زندگی کے تمام مادی و معنوی اطراف شامل ہیں۔ یہ انسانی شخصیت کے تمام مطالبات و ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ خالق و قادر مطلق انسانی نفس کی تمام باریکیاں جانتا ہے۔ فرمایا: ”ونفس وما سواہا فالہمہا فجورہا وتقواہا قد أفلح من زکاہا وقد خاب من دساہا“ (نفس: ۷-۱۰) (اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی، یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا، اور نامراد ہوا وہ جس

نے اس کو دیا)۔ اور اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کی بغیر رنگ، زبان اور نسل کے اختلاف کے، ضرورتیں پوری کرتا ہے، کیونکہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انسانیت کا بناؤ کس میں ہے اور بگاڑ کس میں، لہذا جن چیزوں میں بناؤ ہے ان کا حکم دیا، جن میں بگاڑ ہے ان سے روکا اور اسلامی قوانین کا وہ نظام دیا جو اس دین کو کامل و مکمل کرتا ہے۔ اس نے اس نظام کو ہر زمان و مکان کے قابل بنایا جو زندگی کے امور کی تنظیم کرتا ہے، صحیح راستہ کی رہنمائی کرتا ہے، فاسد اور کج امور کو درست کرتا ہے۔ گم کردہ راہ کو راہ دکھاتا ہے۔ فقیر کی مدد کرتا، یتیم کی کفالت کرتا اور معاشرہ کے تمام افراد کے اندر ہمدردی کی روح پیدا کرتا ہے، یہ اللہ کا بڑا احسان، اس کا فضل اور بندوں پر اس کی بڑی رحمت ہے، وہ رحمان و رحیم ہے۔ اس نے اپنے رسول کو تمام انسانوں کے لئے آخری پیغام دے کر بھیجا ہے تاکہ آپ تمام دنیا والوں کے لئے رحمت بنیں، فرمایا: ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ (انبیاء: ۱۰۷) (اور ہم نے آپ کو (اے پیغمبر) دنیا جہاں پر اپنی رحمت ہی کے لئے بھیجا ہے) اس رحمت نے زندگی کے تمام پہلوؤں کو گھیر لیا ہے، لہذا وہ تمام اسلامی قوانین کی ایک صفت لازمہ ہے، رحمت ربانی شریعت اسلامیہ میں ظاہر ہے، اس کا احساس صرف وہی مسلمان کر سکتا ہے جو دین دار ہو اور ظاہری و باطنی طور پر دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہو، یہ تعلیمات ہمیشہ اس کے نفس کو صاف، قلب کو پاکیزہ، روح کو شفاف اور کردار بلند بنائیں گی، ہمیشہ اسے خیر پر عمل پیرا ہونے، نیک اعمال کرنے اور اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنی قیمتی سے قیمتی چیز قربان کرنے پر آمادہ کریں گی جس کا یہ حال اور یہ صفت ہو وہ ہمیشہ اپنے رب کی چوکھٹ پر پڑا رہے گا، جو شخص دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہو رحمت اس کے دل سے کبھی جدا نہیں ہوگی، وہ اسے چاہے گا، اسے لٹائے گا اور سب کو اسی کی نصیحت کرے گا جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ”ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ“ (بلد: ۱۷۱) (پھر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور خلق خدا پر رحم کی تلقین کی)۔ کیونکہ

اپنے ایمان کی رو سے وہ جانتا ہے کہ اللہ کی مخلوق پر رحم کر کے وہ خود اپنے لئے خدا کی رحمت لا رہا ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی تصدیق ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”انما یرحم اللہ عبادہ الرحماء“ (بخاری) (اللہ اپنے بندوں میں ان ہی پر رحم کرتا ہے جو رحم دل ہوتے ہیں)۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: ”ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء“ (طبرانی) (تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا)۔ اپنے ایمان و یقین اور نبی کی تصدیق کے باعث وہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ مخلوق خدا پر رحم نہیں کرے گا تو اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا بلکہ دنیاوی زندگی میں بھی بدبختی اس کے حصہ میں آئے گی، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”لاتنزع الرحمة الا من شقی“ (رحمت کسی شقی کے دل سے ہی کھینچی جاتی ہے)۔

اس کے علاوہ سماج کے افراد کی باہمی ہمدردی کا عظیم حاصل اور بلند مقام مضبوطی اور وحدت ہے اور رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد کی تصدیق ہے کہ محبت باہمی اور آپسی تراحم و مہربانی میں مسلمانوں کی مثال جسد واحد کی ہے، جس کا کوئی عضو بیمار ہو جائے تو رات جگے اور بخار کے باعث سارے جسم پر اس کا اثر پڑے گا، اسی طرح ایک محرک اور بھی ہے جو جذبہ رحمت کو ابھارتا ہے اور آدمی کو خرچ کرنے اور لٹانے پر آمادہ کرتا ہے، وہ ہے مومن کی یہ خواہش کہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”والذی نفسی بیدہ لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ“ (مسلم) (خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے)۔

انفاق فی سبیل اللہ کے لئے ان بلند اسلامی قوانین کے اغراض و مقاصد اور حکمتوں پر جس کی بھی نظر ہوگی اسے معلوم ہوگا کہ وہ بنی نوع انسان کے مابین تکافل، تعاون اور وحدت کے سلسلہ میں اتنی بلندی پر ہیں کہ جہاں تک کوئی بھی وضعی قانون نہیں پہنچتا، کیونکہ یہ ایسے بشری

قوانین ہیں جن کو خطاء، کمی یا نقص عارض ہوتا ہے، پھر اس قسم کی اسلامی تعلیمات دو بنیادوں پر مشتمل ہیں: دنیا کا اجر و ثواب تمام تر اشکال و انواع کے ساتھ اور آخرت کا ثواب جسے اللہ نے بندوں کے لئے تیار کیا ہے اور جس کی حقیقت محض اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ انفاق کے سلسلہ کی ہی اسلامی تعلیمات میں سے ایک میدان اوقاف کا بھی ہے، جس کا دائرہ کار انسان کی ضرورتوں اور حاجتوں کی تکمیل ہے۔ اوقاف انسان کو ایک ترقی یافتہ اور مہذب انتظام کے ذریعہ جس سے انسان کی ضرورت بھی پوری ہو اور انسان کی کرامت کی بھی حفاظت ہو، محتاجی اور تنگ دستی سے بچاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ" (بنی اسرائیل: ۷۰) (ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے)۔ یہ اسلامی قوانین انسان کو اس سے بچاتے ہیں کہ وہ اپنے کو ذلیل کرے یا اپنی توہین کرے، جو تنگی و محتاجی میں دست سوال دراز کرنے اور مانگنے سے ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ شریعت نے اسے اپنی تعلیمات اور قوانین کے ذریعہ نفس کے مطالبات اور ضروری حاجات بھی فراہم کر دیئے اور اس کو تذلیل سے بھی بچالیا۔ اس نے سماج کی تعمیر اور امن کی برقراری کے ساتھ ان ذرائع کو بھی بند کر دیا جو انسان کی ضرورت و محتاجی سے پیدا ہوتے ہیں اور اپنے اہل و عیال کی ضرورتیں پوری کرنے میں وہ بہت سی غلطیاں کر گزرتا ہے۔

اس لئے ہم پاتے ہیں کہ انفاق فی سبیل اللہ کے میدان میں اسلامی ہدایات فقر و محتاجی کو دور کرنے کے مادی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اخروی و معنوی پہلوؤں پر بھی مشتمل ہیں، جس کا ادراک فی سبیل اللہ خرچ کرنے والے کو ہوتا ہے۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے وہ بہترین منہج دیا ہے جس میں تزکیہ نفس اور سماج میں خیر کے کام علی الدوام کرتے رہنے کی ضمانت ہے، اس کے بہت سے راستے ہیں جن میں سب سے افضل وقف ہے، وقف وہ صدقہ جاریہ ہے جو سب سے زیادہ مکمل، سب سے زیادہ ثواب والا، عملی پہلو سے سب سے زیادہ مفید، سب سے زیادہ دائمی نفع کا حامل اور سب سے زیادہ پائیدار ہے، کیونکہ وہ سماج کی مضبوطی و کافل کا تحفظ کرتا ہے، لوگوں

میں میل ملاپ اور محبت پیدا کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز کاموں پر ابھارتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وقف کو شریعت اسلامیہ میں زبردست مقام دیا گیا، اسے سب سے مؤکد سنت بتایا گیا اور اسے صدقہ و انفاق فی سبیل اللہ کے افضل ابواب میں سے قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں نبی ﷺ فرماتے ہیں: "اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاثة: الا من صدقہ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ" (مسلم) (جب کسی آدمی کی موت ہو جاتی ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے، سوائے تین باتوں کے: صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے)۔ نبی ﷺ کی یہ مبارک سنت امت کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کے لئے ابھارتی ہے: "آمنوا باللہ ورسولہ وأنفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ فالذین آمنوا منکم وأنفقوا لہم اجر کبیر" (حدید: ۷) (ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو، سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں انہیں بڑا اجر حاصل ہوگا)۔

خیر کا کام کرنے والوں سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، ارشاد ہے:

"لیس علیک ہداهم ولكن اللہ یہدی من یشاء وما تنفقوا من خیر فلا نفسکم وما تنفقون الا ابتغاء وجہ اللہ وما تنفقوا من خیر یوف الیکم وأنتم لا تظلمون" (بقرہ: ۲۷۲) (ان کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی مال میں سے خرچ کرتے ہو سو اپنے لئے کرتے ہو اور تم اللہ ہی کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرتے ہو اور تم مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو سب تم کو پورا پورا لوٹا دیا جائے گا اور تم پر ذرا بھی زیادتی نہ کی جائے گی) اور ارشاد ہے: "لن تنالوا البر حتی تنفقوا

مما تحبون وما تنفقوا من شئ فإن الله به عليم“ (آل عمران: ۹۲) (جب تک تم اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کرو گے نیکی کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکو گے اور جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے)۔

اسلام میں وقف کی تاریخ اور مسلمانوں کی زندگی میں اس کے اثرات کا مطالعہ کرنے والا پائے گا کہ وہ زندگی کے تمام تر شعبوں، علمی، سماجی اور اقتصادی وغیرہ میں اسلامی معاشرہ کے لئے بہت مفید حل پیش کرتا ہے، وقف کے ذریعہ سے ہی بہت سے گوشوں میں اسلامی تہذیب پھیلی پھولی، چنانچہ اسلامی شہروں میں اسپتال بنائے گئے۔ فقراء و مساکین اور بیماروں کے لئے علاج کا انتظام کیا گیا، اسی طرح فقراء اور محتاجوں کے لئے سرائے بنائے گئے، مساجد کی تعمیر ہوئی، قرآن کریم کے حفظ کے حلقے قائم ہوئے، وقف سے چلنے والے دارالمطالعے قائم ہوئے، یہ وقف کے وہ عظیم اثرات ہیں جو پوری مسلم دنیا پر پڑے۔

اسی سے دیکھا جاسکتا ہے کہ اسلامی معاشروں میں اسلامی اوقاف کے مثبت اور نتیجہ خیز اثرات کیا تھے اور انھوں نے مختلف اداروں میں اسلامی تہذیب کو مالا مال کرنے میں کیا بلند کردار ادا کیا، اسلامی معاشروں کو آگے بڑھانے اور ان میں مختلف اقتصادی، سماجی اور صحتی و ترقیاتی ادارے قائم کرنے میں وہ کیا سرگرم کردار کر سکتے ہیں۔

علمی تحقیق، تعلیم و تربیت کتب خانوں اور علاج و معالجہ اور طبی تحقیقات کے لئے اسپتال اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے قیام میں آج بھی وقف کے کردار کو سرگرم بنایا جاسکتا ہے، نیز اس کے ذریعہ غربت کو دور کیا جاسکتا ہے، اس طرح کہ جو لوگ کام کر سکتے ہوں انہیں روزگار دیا جائے اور جو کام نہ کر سکتے ہوں ان کی ضرورتیں پوری کی جائیں نیز اور بھی میدانوں میں اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح سماجی، انسانی اور ترقیاتی پہلوؤں سے ہم پاتے ہیں کہ ان میدانوں میں

وقف نے ماضی میں بھی زبردست کردار ادا کیا ہے اور یہ صدقات جاریہ کی سب سے عظیم اور درست ترین تعبیر ہے۔ ان صدقات کا جذبہ انسانی نفس میں اندر سے پیدا ہوتا ہے جو دینے، خرچ کرنے اور عمل خیر پر ابھارتا ہے، اللہ کی رضا جوئی کے علاوہ اور کوئی دباؤ، پابندی اور واجبات اس کے محرک نہیں بنتے، اس طرح دنیا میں مسلم معاشرہ کے افراد کے مابین تعاون اور تکافل ہوتا ہے، چونکہ مقصد نیک اور نیت بلند ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ مسلم معاشرہ میں باہمی میل ملاپ، محبت، تکافل اور وحدت باہمی پیدا ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ”وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“ (سورہ مائدہ: ۲) (ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقویٰ میں کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو) پر عمل ہوگا، اس لئے صدقات جاریہ کا درجہ بھی بہت بلند ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا فرمان الہی اہل خیر، ثروت مند اور با غیرت افراد کو بڑی سخاوت کے ساتھ اسلامی معاشرہ میں ترقی اور اجتماعی کفالت کے تمام میدانوں میں خرچ کرنے پر ابھارتا ہے۔ یہ میدان وہ ہیں جو مسلم معاشرہ کی تمام ضرورتوں کو محیط ہیں اور اہم ترین گوشوں میں بہت بڑا رول ادا کرتے ہیں، یعنی سماج کو آگے بڑھانے کے لئے وہ کام کرنا جن میں یتیموں کی کفالت، فقراء و مساکین کی مدد، بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کی نگہداشت، دارالعلوموں اور حفظ قرآن وغیرہ کے مدارس اور سماجی خدمات کے دیگر تمام گوشے آ جاتے ہیں۔

اسلامی وقف نے سماجی مسائل کے حل میں ایک بڑا انسانی کردار ادا کیا جو تمام انسانی، اجتماعی، ترقیاتی، صحتی اور تعلیمی میدانوں میں ممتاز ہے، اسی طرح دعوت الی اللہ میں بھی اس کا کردار نمایاں ہے۔ اسی سے وہ نمونہ سامنے آیا جو ہر حال میں اور ہر زمان و مکان میں قابل تقلید ہے۔ اوقاف اسلامیہ کے اس کردار کا احیاء اس مبارک سنت نبوی کی طرف رجوع سے ہوگا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرہ کی ترقی میں وقف کی ضرورت و اہمیت کے سلسلہ میں شعور پیدا

کرنے کی کوشش کی جائے، اسی طرح اس مبارک میدان میں جو لوگ خرچ کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان کے حوصلوں کو بلند کرنے کی ضرورت ہے، نیز موجودہ زمانے کے مطالبات کے موافق نظام وقف کے نئے خدو خال وضع کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

مبحث سوم

مطلقہ عورتوں، یتیموں، بیماروں اور بیواؤں کی خبرگیری میں اوقاف کی اہمیت

اسلام نے معاشرہ کے ان تمام طبقات کی طرف زبردست توجہ دی ہے جو خبرگیری اور توجہ کے مستحق ہیں، اس میدان میں اس کے قوانین نہایت اہم ہیں، چنانچہ اس نے ان لوگوں کو زمانہ کے مصائب اور ظروف و احوال کے تغیرات کے تھپڑے کھانے کے لئے بے یار و مددگار نہیں چھوڑ دیا تا کہ یہ مشکلات و پریشانیاں اسے بڑے خطرات اور خطرناک نتائج تک نہ پہنچادیں اور وہ ان حالات سے نمٹنے کی کوشش میں شریعت مخالف اقدامات نہ کر بیٹھیں۔ اس لئے اسلام شدت سے اس بات کا خواہاں ہے کہ ہر گروپ کے لئے جو تعاون و خبرگیری کا ضرورت مند ہو ایسے قوانین بنائے جو اس کو مادی و معنوی طور پر مصائب سے محفوظ رکھیں، اس کی ضرورتیں پوری کریں، اس نے کبھی زکاۃ جیسے فرائض کے ذریعہ اور کبھی انفاق فی سبیل اللہ اور خیر کے مختلف کاموں مثلاً وقف اور صدقات نافلہ وغیرہ پر ابھار کر مسلم معاشرہ کو ان قوانین کی پابندی کی تعلیم دی ہے۔

ان اوقاف کو اگر اللہ کے حسب منشا استعمال کیا جائے، ان کی سرمایہ کاری بہتر طور پر کی جائے اور شرعی دائرہ میں نیز زمانے کے مطالبات اور زمانی و مکانی احوال کو سامنے رکھا جائے تو مسلم سماج میں کوئی بھی ایسا گروپ نہ رہ جائے گا جس کو مدد و تعاون کی ضرورت ہوگی، ہر ایک کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ اسلامی قوانین کے دائرہ میں رہتے ہوئے ضرورت، محتاجی اور فقر کو

دور کرنے میں کسی کی عزت پامال نہ ہوگی اور مسلم معاشرے کے تمام افراد میں تکافل، تعاون اور مضبوط تعلق قائم ہو جائے گا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کا یہ قول پورا ہو جائے گا: ”مثل المؤمنین فی توادہم وتعاطفہم وتراحمہم کمثل الجسد إذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسہر والحمی“ (اپنی مودت باہمی، تعاطف اور تراحم میں مومنین کی مثال جسد واحد کی ہے، جس کا ایک عضو بھی اگر بیمار ہو جائے تو اس کا اثر سارے جسم پر رات کو جاگنے اور بخار سے پڑے گا۔)۔ اس طرح کوئی بھی گروپ بغیر مدد و تعاون اور خبر گیری کے نہیں رہ جائے گا۔

سماج کے ان حصوں میں جن کو اوقاف کی توجہ تاریخ کے مختلف ادوار میں حاصل رہی ہے وہ بھی ہیں جن کا حکم ہم یہاں بیان کریں گے یعنی مطلقات اور وہ بیوائیں جو ان کے حکم میں ہوں۔

اول - اسلام میں بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کی خبر گیری

اسلام نے مطلقات کے سلسلہ میں زبردست اہتمام کیا ہے، چاہے حفاظتی تدابیر کا معاملہ ہو یا علاج کا۔ حفاظتی تدابیر کے سلسلہ میں اسلام نے کوشش یہ کی ہے کہ سماج میں طلاق کے حالات کم سے کم ہوں، یہ صرف ضرورت اور ناگزیر حالات ہی میں ہو جبکہ اس کے بغیر کوئی حل ہی نہ ہو، اس سلسلہ میں اسلام نے دو متوازی حل پیش کیے ہیں جو یوں ہیں:

الف - اس کا انتظام کہ طلاق کے حالات کم سے کم ہوں

یہ اس طرح کہ شریعت میں طلاق کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے اور اللہ کے نزدیک اسے بغض الحلال بتایا گیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض چیز طلاق ہے (اسے بخاری اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے)۔

اسلام نے ان حالات کو دور کرنے کی کوشش پر ابھارا جو طلاق کی طرف لے جاتے ہوں تاکہ طلاق کے وقوع سے قبل ان کو حل کرنے کی کوشش ہو اور طلاق کے وقوع کو روکا جاسکے۔ اسلام نے یہ ضمانت دی ہے کہ اگر فریقین کی نیت صحیح ہو اور اصلاح حال کا ارادہ ہو اور اللہ کی خوشنودی مطلوب ہو تو دونوں کے مابین صلح ہو سکتی ہے۔

”وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يَرِيدا إِصْلَاحًا يُوَفِّقُ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا“ (سورۃ نساء: ۳۵)۔

(اگر تمہیں دونوں کے درمیان کشمکش کا علم ہو تو تم ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے مقرر کر دو، اگر دونوں کی نیت اصلاح حال کی ہوگی، تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی علم رکھنے والا ہے، ہر طرح باخبر ہے) اور فرمایا:

”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُمْ وَأُسْرُحْكُمْ سَرَّاحًا جَمِيلًا“ (سورۃ احزاب: ۲۸)۔

(اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں)۔ اور فرمایا:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا فَمَتَّعُوهُنَّ وَسَرَّحُوهُنَّ سَرَّاحًا جَمِيلًا“ (سورۃ احزاب: ۴۹)۔

(اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت لازم نہیں ہے جس کے پورے ہونے کا تم مطالبہ کر سکو، لہذا انہیں مال دو اور بھلے طریقے سے رخصت کر دو)۔

اور فرمایا:

”فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ“ (سورۃ طلاق: ۶)۔

(پھر اگر وہ تمہارے لئے بچہ کو دودھ پلائیں تو ان کی اجرت انہیں دو)۔

”أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ وَلَا تَضَارُوهُنَّ لَتَضَيَّقُوا

عَلَيْهِنَّ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمْلٌ فَأَنْفَقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ“ (سورۃ طلاق: ۶)۔

(ان کو) (زمانہ عدت میں) اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو، جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر

ہو، اور انہیں تنگ کرنے کے لئے ان کو نہ ستاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ

کرتے رہو جب تک ان کا وضع حمل نہ ہو جائے)۔

نکاح کی ترغیب

ب۔ اسلام نے نو جوانوں کو شادی پر ابھارا ہے، خواہ کنواری عورت سے یا شوہر دیدہ

سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”وَأَنْكَحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا

فُقَرَاءَ يَغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ“ (سورۃ نور: ۳۲)۔

(اور تم اپنے بے نکاحوں کا نکاح کرو اور تمہارے غلام اور باندیوں میں جو اس کے یعنی

نکاح کے لائق ہوں ان کا بھی۔ اگر یہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا

اور اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا جاننے والا ہے)۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

”يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ

فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وَجَاءٌ“ (صحیح بخاری)۔

(اے نو جوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نفقہ پر قادر ہو وہ شادی کر لے اور جس کو

اس کی استطاعت نہ ہو وہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ سے شہوانی قوت ٹوٹتی ہے)، اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

”تَنْكِحُ الْمَرْأَةَ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَ لِحَسْبِهَا وَ لِحَمَالِهَا وَ لِدِينِهَا فَافْظُرْ بَذَاتِ الدِّينِ تَرَبَّتْ يَدَاكَ“ (صحیح بخاری)۔

(عورت سے نکاح چار چیزوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب کی وجہ سے، اس کے جمال کی وجہ سے، اس کے دین کی وجہ سے، تم دین دار کو ترجیح دو تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں)۔

اگر ایک مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات پر عمل کرے گا تو معاشرہ میں مطلقات کا تناسب بہت کم ہو جائے گا اور اس طرح اس مسئلہ پر بہت آسانی سے قابو پایا جاسکے گا۔ حجۃ الوداع میں آپ نے عورتوں کے حق میں عمومی اور بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کے حق میں خاص طور پر نصیحت کی، فرمایا:

”فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانَةِ اللَّهِ وَ اسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ وَ لِهِنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَ كَسَوْتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ“ (مسلم)۔

(عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے بدلے لیا ہے، اللہ کے کلمہ کے ذریعہ تم نے ان کی شرمگاہیں حلال کی ہیں، تمہارے اوپر ان کی روزی اور معروف کے مطابق ان کو پہنانا ہے)۔

جہاں تک بیواؤں کی بات ہے تو وہ عورتوں کے عموم میں تو داخل ہی ہیں لیکن اسلام نے جہاں مساکین اور محتاجوں کی مدد اور ان کی خبر گیری پر ابھارا ہے وہیں بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک کی بھی ترغیب دی ہے: حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمَسْكِينِ كَالْجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَحْسِبْهُ

قَالَ: وَ كَالْقَائِمِ الَّذِي لَا يَفْتَرُ وَ كَالصَّائِمِ الَّذِي لَا يَفْطُرُ“ (النووی)۔

(مسکین اور بیوا کی دیکھ بھال کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی مانند ہے۔ میرا گمان ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا: وہ رات میں اس عبادت کرنے والے شخص کی طرح ہے جو تھکتا نہیں اور اس روزہ دار کی مانند ہے جو افطار نہیں کرتا)۔

ہر زمانہ میں اسلامی اوقاف نے مطلقہ عورتوں اور بیواؤں وغیرہ کی مشکلات و مسائل کو حل کیا ہے اور فقر و تنگدستی کے وقت ان کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کی ہے جب ان کے لئے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں، ان کے لئے اوقاف خاص کئے جاتے تھے جن کی آمدنی ان پر خرچ کی جاتی تھی، اسی طرح ان کو مکان دیئے جاتے، نفقہ اور لباس کا انتظام کیا جاتا، ان کو ہر وہ چیز دی جاتی جس سے ان کی ضرورت پوری ہوتی ہو، ان کی صحیح اسلامی طریقہ پر خبر گیری ہوتی اور ان کی اس کے لئے مدد کی جاتی کہ وہ کتاب اللہ کا حفظ کریں، شرعی علوم سیکھیں اور وہ کام بھی انھیں سکھائے جاتے تھے جو ایک مسلمان عورت کے لئے مناسب ہیں بلکہ وقف کے ادارے اس سے بھی آگے بڑھ کر شریعت کے مطابق ان کی شادی بھی کرتے تھے، تاکہ عورت کی حیاء اور عزت کا تحفظ ہو سکے۔

دوم۔ اسلام میں مریضوں کی دیکھ بھال

سماج میں جو طبقہ خبر گیری، توجہ اور مدد کا سب سے زیادہ مستحق ہے وہ بیماروں کا ہے، یہ وہ گروپ ہے جس کو مختلف حکمتوں اور اسباب کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ابتلاء میں ڈال دیا ہے اور اسی وجہ سے سماج کے دوسرے لوگوں پر ان کا یہ حق ہے کہ ان کے ساتھ مہربانی اور ہمدردی کا سلوک کریں اور اگر بیماری کے ساتھ فقر و فاقہ، تنگ دستی اور احتیاج ہو اور علاج کرانے کی سکت بھی نہ ہو تو اس سے انسان اور زیادہ متاثر ہوتا ہے، اسی مشقت کے لحاظ سے مریض پر خرچ کرنے والے کا ثواب بھی بڑھ جاتا ہے۔

اسلام نے بحیثیت دین رحمت کے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے، اپنے قوانین

کے ذریعہ انسانیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لیا ہے اور اپنی عمومی ہدایات کے ذریعہ تکافل، اتحاد اور تعاون کے میدان میں ایک منفرد نظام دیا ہے، ان ہی عمومی ہدایات کے تحت مریضوں کی نگرانی، دیکھ بھال اور ان کی مدد بھی آ جاتی ہے، تا آنکہ اللہ اپنے فضل و کرم سے انہیں شفاء عطا کرے، کیونکہ اس کی رحمت تو سبھی انسانوں کے لئے عام ہے۔

جہاں تک خصوصیت کے ساتھ مریضوں پر توجہ دینے کا تعلق ہے تو اسلام نے ان سے اعتناء کرنے، ان کی خبر گیری اور ان کے علاج و عیادت پر ابھارا ہے اور اس پر زور دیا ہے کہ ان کے حوصلوں کو بلند کیا جائے اور مادی و معنوی طور پر ان کی مدد کی جائے، تا آنکہ اللہ کے فضل سے وہ شفا یاب ہو جائیں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ باعتبار ضعف، مرض اور اپنی حالت کے اسلام نے ہمارے حال پر بہت توجہ دی ہے اور یہ بات سامنے رکھی ہے کہ سماج میں بیمار سب سے زیادہ مدد اور تعاون کے مستحق ہوتے ہیں، خاص کر جب کہ وہ فقیر و محتاج بھی ہوں۔ اسلام کی یہ توجہ بیمار کے علاج و معالجہ سے شروع ہو کر شفاء کے بعد بھی اس کی خبر گیری اور اس وقت تک اس کی کفالت تک رہتی ہے جب تک وہ پوری طرح شفا یاب ہو کر کام کاج کے لائق نہ ہو جائے۔ اسی طرح اسلام نے اس پر بھی ابھارا ہے کہ بیمار کی عیادت کی جائے، کیونکہ عیادت سے اس کے حوصلے بلند ہوتے ہیں اور علاج پر بھی اس کا اچھا اثر پڑتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اس پر ابھارا ہے، چنانچہ فرمایا:

”حق المسلم على المسلم خمس: رد السلام، وعبادة المريض،

واتباع الجنائز، واجابة الدعوة وتشميت العاطس۔“

(مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت، جنازہ

کے پیچھے چلنا، دعوت قبول کرنا اور چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا)، نیز آپ نے فرمایا:

”عودوا المريض وأطعموا الجائع وفكوا العاني“ (بخاری)۔

(مریض کی عیادت کرو، بھوکے کو کھلاؤ اور مصیبت زدہ کی مدد کرو)، اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من عاد مریضا وزار اخا له فی اللہ ناداه مناد بأن طبت وطاب ممشاک وتبوات من الجنة منزلاً“ (سنن ابن ماجہ)۔

(جس نے کسی بیمار کی عیادت کی یا اللہ فی اللہ اپنے کسی بھائی سے ملاقات کی تو اسے ایک ندادینے والا پکارتا ہے کہ تم خوش رہو، تمہارا چلنا مبارک ہو اور تم جنت میں ایک گھر پاؤ)۔ اسی طرح ایک حدیث قدسی میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ان اللہ عزوجل یقول یوم القیامۃ: یا ابن آدم مرضت فلم تعدنی قال: یا رب کیف أعودک وأنت رب العالمین، قال: أما علمت أن عبدی فلاناً مرض فلم تعدہ أما علمت أنك لو عدتہ لوجدتہ عندہ.....“ (رواہ مسلم)۔

(اللہ تعالیٰ قیامت میں فرمائے گا: آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی، وہ کہے گا، میرے رب تو تو رب العالمین ہے، میں تیری عیادت کیسے کرتا، کہے گا: تجھے معلوم نہیں ہوا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا لیکن تو نے اس کی زیارت نہیں کی، تو نہیں جانتا کہ اگر اس کی عیادت کرتا تو مجھے بھی اس کے پاس پاتا)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی ہدایات بیماروں کی خبر گیری، توجہ، علاج اور ان کی عیادت کے سلسلہ میں بہت ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ نصوص بھی ہیں جو باہمی ہمدردی اور تعاون پر ابھارتی ہیں اور ایسے نصوص بھی ہیں جو خاص طور پر بیماروں سے متعلق ہیں۔

اسلام کے ہر عہد میں اوقاف نے ایک عظیم کردار ادا کیا ہے، آج بھی جبکہ نئے نئے امراض ظاہر ہو رہے ہیں جن کو اب سے پہلے کوئی نہیں جانتا تھا، اوقاف کے اس کردار کو زندہ کیا جاسکتا اور ان کے نقوش کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

آج اگرچہ تشخیص و علاج کے طریقوں میں تبدیلی آگئی ہے اور علاج کے طریقوں میں ترقی ہوئی ہے، لیکن علاج معالجہ پر اتنا زیادہ صرفہ آتا ہے کہ فقراء و مساکین اور محتاج لوگ اس کی استطاعت نہیں رکھتے، لہذا آج شدید ضرورت ہے کہ مریضوں اور اسپتالوں کے لئے اوقاف قائم کرنے کا اہتمام کیا جائے اور بطور خاص غریب اور محتاج بیماروں کی مدد و تعاون کے لئے وقف کے فنڈ قائم کئے جائیں۔

مبحث چہارم

تعلیم اور دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں

اوقاف کی اہمیت

علم و تعلیم اور دعوت الی اللہ و عظیم کام اور ایسے میدان ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مقام بلند کیا ہے، ان کی عزت بڑھائی ہے اور ان کے ذمہ داران و کارکنان کی عزت افزائی کی ہے، دنیا میں ان کی جو توقیر ہوتی ہے اور جو اعتراف فضل ہوتا ہے وہ تو الگ آخرت میں اجر عظیم کا وعدہ بھی ان سے فرمایا ہے۔ ان دونوں کاموں سے اسلام نے اتنا زبردست اعتناء کیا ہے کہ جس کی کوئی نظیر سابق یا بعد کے کسی نظام و قانون میں نہیں ملتی، ان کے شرف کے لئے یہ کافی ہے کہ کتاب اللہ کی سب سے پہلی آیت وہ ہے جو قراءت (پڑھنا) کی دعوت دیتی ہے اور قراءت ہی علم و تعلیم کا دروازہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اقراء باسم ربک الذی خلق، خلق الإنسان من علق، اقراء وربک

الاکرم، الذی علم بالقلم، علم الإنسان ما لم يعلم“ (سورہ علق: ۱-۵)۔

(پڑھو) اے نبی! اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جسے ہوئے خون کے

ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سے

علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جو وہ نہ جانتا تھا۔

ان آیات کریمہ میں غور و فکر کرنے والا پائے گا کہ مضمون کی ابتداء قرأت سے ہوئی پھر قلم کا بیان ہوا اور قلم ہی کتابت کا وسیلہ اور علم و تعلیم کا رمز ہے، اس کے بعد بتایا گیا کہ خدا نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

اس سے دین اسلام کا راست طریق کار معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے درجہ میں توحید خالص کا دین تو ہے ہی، اس کے بعد وہ علم و معرفت کا دین ہے، جس میں لوگوں کو امور دین سکھائے جاتے ہیں، انھیں حق کی اور صراط مستقیم کی دعوت دی جاتی ہے، اسی سے مولیٰ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل بھی ہوتی ہے جس کا ارشاد ہے:

”وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“ (سورۃ ال عمران: ۱۰۴)۔

(اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے، جو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی سے روکا کرے اور پورے کامیاب یہی تو ہیں)۔
اسی طرح فرمایا:

”وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ“ (سورۃ توبہ: ۱۲۲)۔

(اور مؤمنوں کو نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، سو یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں ایک حصہ نکل کھڑا ہوتا کہ باقی لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس آئیں ڈرائیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں)، نیز فرمایا:

”قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ

وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ“ (سورۃ یوسف: ۱۰۸)۔

(آپ کہہ دیجئے کہ میرا طریق یہی ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، دلیل پر قائم ہوں میں بھی اور میرے پیرو بھی اور پاک ہے اللہ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں)۔
قرآن میں بہت سی نصوص وارد ہیں جو علماء کی شان بلند کرتی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ“ (سورۃ مجادلہ: ۱۱)۔

(تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ کو اس کی خبر ہے)۔

اللہ نے بتایا کہ علماء وہ لوگ ہیں جو اپنی معرفت الہی، حلال و حرام کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی پابندی کے باعث لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ فرمایا:

”إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ“ (سورۃ فاطر: ۲۸)۔

(حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں، بے شک اللہ زبردست اور درگزر فرمانے والا ہے)۔

وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں جس نے ارشاد فرمایا:

”لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا

لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِكْرَامًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ

مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَالًا طَاقَةً لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَارْحَمْنَا أَنْتَ

مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ“ (سورۃ بقرہ: ۲۸۲)۔

(اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا مگر اس کے بساط کے مطابق، اسے ملے گا وہی جو کچھ اس

نے کمایا اور اس پر پڑے گا وہی، جو کچھ اس نے کمایا، اے ہمارے پروردگار ہم پر گرفت نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اے ہمارے پروردگار ہم پر بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ڈالا تھا ان لوگوں پر جو ہم سے پیشتر تھے، اے ہمارے پروردگار ہم سے وہ نہ اٹھوا جس کی برداشت ہم سے نہ ہو، اور ہم سے درگزر کر اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا کارساز ہے، سو ہم کو غالب کر کافر لوگوں پر)۔

اسلام میں علم و علماء اور تعلیم کی اس زبردست اہمیت کے پیش نظر اور علی وجہ البصیرۃ دعوت الی اللہ، اللہ کے دین کی حفاظت اور اسلامی معاشرہ میں ان کی شدید ضرورت کے باعث، معاشرہ کی رفعت شان، ترقی اور اللہ کے دین کی نشر و اشاعت اور امور دین اور عقیدہ کی حفاظت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے، اسلامی اوقاف نے تاریخ کے تمام ادوار میں علم اور دعوت الی اللہ کے میدانوں میں ایک بڑا کردار ادا کیا اور ہمیشہ ان امور کو اوقاف کی بڑی توجہ و عنایت حاصل رہی، ان پر زیادہ سے زیادہ خرچ کیا گیا، ان کے تحفظ کی کوشش ہوئی اور ان کے ذمہ داران و کارکنان کو عزت و توقیر ملی، اس سے وہ علم اور دعوت کے میدان میں اپنا مطلوبہ کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔

علم و تعلیم اور خاص کر شرعی علوم کی اشاعت کے سلسلہ میں اسلامی اوقاف نے وہ زبردست اور نمایاں کردار ادا کیا کہ اس کی تفصیل اس مختصر مقالہ میں بیان کرنا مشکل ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ علم و تعلیم کے ان اوقاف میں مشترک قدر یہ تھی کہ وہ ان کاموں کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس زمانہ میں جبکہ موجودہ دور کی طرح سرکاری ادارے اور ایجنسیاں اور وزارتیں نہیں ہوتی تھیں جو تعلیم وغیرہ پر خرچ کریں، اس صورت میں تمام تر انحصار صرف اوقاف کی مالیات اور ان کی آمدنی پر تھا جن کا فیض تعلیم و علوم اور حفظ قرآن کے تمام حلقوں کو پہنچتا تھا بلکہ علم و تعلیم کا کوئی بھی گوشہ ان کے فیض سے محروم نہ تھا جیسا کہ تاریخی مراجع بتاتے ہیں، ان

کے مطابق وہ چاہے مساجد میں لگنے والے علم کے حلقے ہوں یا الگ سے مدارس کا قیام ہو، سب کے لئے مالی بنیاد وقف ہی تھا۔ متعدد تاریخی مصادر بتاتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں تمام تعلیمی ادارے وقف کے نظام کے ماتحت تھے۔

لہذا اگر اوقاف کا نظام نہ ہوتا بطور خاص عہد مملوک کی میں تو یہ مدارس اپنی بنیاد کھودیتے۔ تعلیم اور مدارس کے سلسلہ میں اوقاف جو اخراجات کیا کرتے تھے ان میں مدارس کی تعمیر، مدرسین کی تنخواہیں طلبہ کی ضرورتیں مثلاً کتابیں، روشنائی، کاغذ، کھانا اور لباس وغیرہ سب شامل تھے، تاریخ بتاتی ہے کہ ابوصالح احمد بن عبدالمالک المؤذن النیساپوری کتب حدیث کے ذخیرہ کی دیکھ بھال کرتے تھے اور ان کی حفاظت کے لئے اوقاف سے انہیں سرمایہ ملتا تھا۔ کچھ اوقاف محدثین کی ضروریات روشنائی وغیرہ فراہم کرتے تھے۔

القدس میں المدرستہ العریہ کا وقف تھا جس میں طلبہ کو روزانہ تقریباً ایک ہزار روٹی دی جاتی تھی، اس کے علاوہ دیگر اوقاف سے کپڑے، برتن، وضو کے لوٹے اور روشنی کے لئے تیل فراہم کیے جاتے تھے۔ اس طرح علم کے حلقے، مدارس اور تعلیمی سرگرمیوں سے متعلق تمام امور ان ہی اوقاف سے انجام پاتے تھے، پورے عالم اسلامی میں بڑی مساجد بھی حفظ قرآن، علم کے حلقوں اور علوم شرعیہ کی اشاعت کی مرکز تھیں، مثلاً مکہ مکرمہ میں مسجد حرام، مدینہ منورہ میں مسجد نبوی، مسجد بصرہ، مسجد کوفہ، مسجد قرطبہ، الجامع الاموی، قاہرہ میں مسجد عمرو بن العاص، حتیٰ کہ بعض مساجد میں علوم کے حلقے وسعت اختیار کر کے پوری پوری یونیورسٹیاں بن گئیں، مثلاً جامع قرطبہ، الجامع الازہر، جامع القرویین، جامع الزيتونہ وغیرہ، ان تمام سرگرمیوں کو سرمایہ مذکورہ چیرٹیبل اوقاف ہی فراہم کرتے تھے۔

اس مختصر مقالہ میں ذکر کردہ تفصیلات سے ہمیں یہ تحریک ملتی ہے کہ اوقاف کو ہم اس کا سابقہ کردار لوٹائیں خاص کر اس لئے بھی آج مسلم معاشروں میں آبادی بڑھ چکی ہے، تعلیم کے

اخراجات بڑے مہنگے ہو گئے ہیں اور کئی مسلم ممالک تنہا اپنے فرزندوں کی تعلیم و تربیت کے اخراجات اٹھانے کے متحمل نہیں ہیں۔ لہذا ایسے ملکوں کو شدید ضرورت ہے کہ اس میدان میں کوئی ان کی مدد و تعاون کرے، یہ تعاون اوقاف کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ ان اوقاف کے ساتھ جو تعلیمی میدان کے لئے مختص ہوں ہر ملک کے ساتھ اصحاب ثروت کے عطیے اور چندے بھی تعلیمی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کریں، اس سے علمی سرگرمیاں اپنے سابقہ کردار کی طرف لوٹ آئیں گی، اوقاف کے سرمایے اور آمدنیاں ان کو بنیادی طور پر مالیات فراہم کریں گی۔

دعوت و تحفظ دین

دعوت و تبلیغ اور تحفظ دین کے میدان میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ تمام اسلامی ادوار میں اسلامی اوقاف بڑا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں دو عامل بنیادی کردار ادا کرتے تھے جو اہل خیر کو مذکورہ میدانوں میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے پر ابھارتے تھے۔

پہلا عامل

پہلا عامل یہ تھا کہ وقف انفاق کے ان راستوں میں سے ہے جس پر بہت ابھارا گیا ہے۔ اس میں خرچ کرنا تزکیہ نفس بھی ہے اور خیر و معروف کو برقرار رکھنا بھی۔ یہ ان طریقوں میں سے ہے جو خالصتاً اللہ کے لئے نیکی اور انفاق کے ہیں جو زیادہ نفع بخش، زیادہ اجر والے، زیادہ مفید اور زیادہ پائیدار اثرات والے ہیں۔ کیونکہ انفاق کا یہ طریقہ سماج کی مضبوطی، یک جہتی اور تکافل کی حفاظت میں حصہ لیتا ہے۔ انسانی قلوب سے کیئے دور کرتا ہے اور معاشرہ کے تمام افراد میں محبت و اتحاد پیدا کرتا ہے۔ دنیا و آخرت میں اس کے فضل کے تذکروں سے کتاب و سنت کی نصوص بھری پڑی ہیں۔

دوسرا عامل

دوسرا عامل دعوت الی اللہ کی فضیلت، اس میں مشغول ہونے کی فضیلت اور اس کے کارکنان و ذمہ داران کا مقام و مرتبہ ہے، جیسا کہ اوپر گزرا، اسی طرح لوگوں کے امور دین کو سیکھنے اور عبادت وغیرہ دوسرے اعمال کو صحیح طریقہ پر ادا کرنے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فضیلت اور معاشرہ کی صلاح و فلاح میں اس پہلو کی اہمیت ہے۔ نیز یہ کہ ان امور میں مشغول ہونے والوں اور کارکنوں سے آخرت میں اجر عظیم کا وعدہ ہے، کیونکہ یہ کام وہ خالصتاً لوجہ اللہ کرتے ہیں۔ انفاق، دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ کے جو کام ہیں وہ سب اللہ کی خوشنودی و رضا کے حصول کے لئے کئے جاتے ہیں اور جو لوگ بھی ان کاموں میں سرمایہ لگاتے ہیں انہیں اجر و ثواب کی بشارت ہے۔

اس طرح دو عامل تھے جو لوگوں کو خیر کے کاموں میں خرچ اور انفاق پر آمادہ کرتے تھے۔ خاص طور پر ان میں خرچ کرنے پر آخرت میں جو اجر عظیم ملے گا اس کے باعث اہل خیر اور غیرت مند اہل ثروت کو اللہ کے راستہ میں، دین کی دعوت و تبلیغ میں اور تحفظ دین کے میدانوں میں خوب خرچ کرنے کی تحریک ملتی تھی۔ اسی طرح اپنے ہم مذہب یا ہم جنس محتاج و غریب انسانوں کی شدید ضروریات زندگی کا پورا کرنا بھی خیر و ثواب کے کاموں میں آتا ہے، ساتھ ہی دین کی دعوت جو تمام حاجتوں اور ضرورتوں سے بڑھ کر حقیقی اور ضروری ہے، جیسا کہ علامہ ابن القیمؒ نے صراحت کی ہے۔ لکھتے ہیں:

”لوگوں کو شریعت کی ضرورت ان کی دوسری تمام حاجتوں سے بڑھ کر ہے حتیٰ کہ شریعت کی انہیں اس سے بھی زیادہ ضرورت ہے جتنی سانس لینے کی ہوتی ہے، کھانے اور پینے کا تو ذکر ہی کیا ہے، کیونکہ سانس نہ لینے اور کھانا پانی نہ ملنے سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ موت آجائے گی جبکہ شریعت نہ ہونے سے روح اور دل تمام فاسد ہو جائیں گے۔ ابدی ہلاکت ہوگی،

ان دونوں کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے، موت سے صرف بدن ہلاک ہوتا ہے، لہذا لوگوں کو رسول اکرم ﷺ کی دعوت کی معرفت، اس کی دعوت، اس پر صبر، اس کے لئے شریعت سے بغاوت کرنے والوں سے جہاد جب تک کہ وہ اس میں واپس نہ آجائیں کی ضرورت سب سے زیادہ شدید ہے اور دنیا میں بناؤ اور صلاح اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔

معاشرہ کی اصلاح اور صراطِ مستقیم پر استقامت، اللہ کے دین کی حفاظت، دین کے بارے میں شکوک و شبہات کو دور کرنا، لوگوں کو امور دین سکھانا وغیرہ جیسے عظیم مقاصد ہیں جنہوں نے آخرت کے ثواب اور اللہ کے ساتھ نفع بخش تجارت کے ساتھ مل کر ایک زبردست محرک کی شکل اختیار کر لی اور اسی محرک نے مسلم معاشروں میں لوگوں کو اپنے مال و سرمایے اللہ کے دین کی دعوت اور اس کی حفاظت میں لگا دینے پر ابھارا، چنانچہ وقف کے مالوں اور جائیدادوں کی کثرت ہو گئی، وقف کی صورتیں بھی بڑھتی گئیں، حتیٰ کہ وقف نے علم و دعوت الی اللہ کے مختلف میدانوں کے مطالبات پورے کئے بلکہ بعض اوقاف کی آمدنیاں ان کے اخراجات سے بھی بڑھ گئیں، ان سب کی تفصیلات کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

عصر حاضر میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ نیکی و خیر اور دعوت دین کے کاموں کو برابر اہل خیر اور ثروت مند اپنے سرمایوں اور مالیات سے فیض پہنچاتے رہے ہیں جو رضائے الہی کے لئے ان میدانوں میں مسابقت کر رہے ہیں۔ الحمد للہ کہ آج کے لوگ بھی رسول اکرم ﷺ، صحابہؓ اور سلف امت کی اقتدا کر رہے ہیں، کیونکہ امت محمدیہ میں خیر قیامت تک باقی ہے۔ ہم پاتے ہیں کہ ان میں بہت سے لوگ مسجدوں کی تعمیر، داعیوں کی کفالت، دعوتی کتابوں کی طباعت اور دعوت کے دیگر مطالبات و ضروریات پر خرچ کرنے کے لئے مسابقت کر رہے ہیں۔

اس وجہ سے ہمیں بھی ان کی پیروی اور ان کی اقتداء کی ضرورت ہے، کتاب و سنت اور عمل صحابہؓ کی روشنی میں یہ ضروری ہے کہ ہم خیر کے اس کام کو ترقی دیں اور نئے نئے گوشے واکریں

جو موجودہ زمانے کے مطالبات کے مطابق ہوں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وقف کے مخصوص فنڈ قائم کیے جائیں جو خیر کے کاموں کے لئے ہوں تاکہ یہ دعوت الی اللہ اور تحفظ دین کے میدانوں کے لئے مالی ذرائع اور مادی مدد و خیر کا نہ سوکھنے والا سرچشمہ اور غیر منقطع ذریعہ بن جائیں۔ ہمیں یہ بھی کرنا چاہیے کہ ان فنڈز میں سماج کے تمام لوگوں کے لئے حصہ لینے کا دروازہ کھولیں، کیونکہ اس سے فرد و معاشرہ پر اس کے اچھے اثرات پڑیں گے اور دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل ہوگی۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ہمارے ارد گرد میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے عیسائی چرچوں اور ان کی مشنریز کے لئے کتنا مال وقف کر رکھا ہے حتیٰ کہ ایک ایک مشنری چرچ کی آمدنی اور بجٹ اتنا ہوتا ہے کہ پوری پوری حکومتوں کا بھی اتنا بڑا بجٹ نہیں ہوتا۔

خاتمہ بحث:

اب میں اس مقالہ کے آخر میں بعض سفارشات پیش کرتا ہوں، تاکہ جب اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا معاشرہ کی دعوتی، تعلیمی اور صحتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے نئے اوقاف قائم کرے تو ان سفارشات سے بھی فائدہ اٹھائے، یہ سفارشات سرخیاں ہیں اور فقہ اکیڈمی ان کو وسعت دے کر عملی زمین پر ان کو فعال بنا سکتی ہے تاکہ بننے والے اوقاف سلامت بھی رہیں، صحیح سمت میں کام کریں اور ان سے جو آمدنیاں حاصل ہوں وہ خیر و فلاح کے منابع بنیں جن سے معاشرہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے مستفید ہو۔

۱۔ سب سے پہلے تو یہ کہ اوقاف کو صحیح شرعی اصول پر قائم کیا جائے جو اس میدان میں کتاب و سنت اور عمل صحابہ سے مستفاد ہوں۔

۲۔ ایسا شرعی یا مقصد ابلاغی پروجیکٹ بنایا جائے جس کے وسیلہ سے لوگوں کو وقف اور اس کی شرعی اصل سے واقف کرایا جائے اور مسلمانوں کی زندگی میں اس کے تصور کو راسخ کیا جاسکے۔

۳۔ وقف کے انتظامی امور کے لئے وہ انتظامی ڈھانچہ اختیار کیا جائے جو ہندوستان میں

مسلمانوں کے احوال و ظروف کے مطابق ہو اور جس میں ان کے قانونی اقتصادی، سماجی اور سیاسی حالات کی رعایت رکھی گئی ہو۔

۴- انتظامی ڈھانچہ کی بنیادوں کو ترقی دی جائے اور معلومات کو قابل اعتماد شکل میں مرتب کیا جائے اور اس کے لئے مینجمنٹ کے جدید ترین نظریات اور سائنٹفک تکنیک کو اختیار کیا جائے تاکہ اوقاف کی تنظیمی تاسیس اس کے کاموں کے مطابق ہو اور وہ فعال شکل میں اپنا مشن انجام دیں اور جو واقفین کی شرائط کے بھی مطابق ہو، اس کے لئے کمپیوٹر اور پروگرامنگ کی جدید ترین ٹکنالوجی سے استفادہ ناگزیر ہے جن سے اوقاف کی کارکردگی میں اضافہ ہوگا۔

۵- اوقاف کے تمام کاموں کی بہتر پلاننگ ہو، اس کے لئے مختصر مدتی اور طویل مدتی منصوبے بنائے جائیں جو کہ آخر کار اوقاف کے تمام مطلوبہ کاموں اور سرگرمیوں کی تکمیل پر منتج ہوں گے۔

۶- معاشرہ کے مطالبات اور ضروریات کا وقت نظر سے مطالعہ کیا جائے تاکہ ان میدانوں کی تحدید کی جاسکے جن میں اوقاف کام کریں گے کہ وہ ضروریات سماجی ہیں، صحت سے متعلق ہیں یا تعلیمی یا دعوتی وغیرہ۔

۷- وقف اور سرمایہ کاری کی نئی صورتیں پیدا کی جائیں جو ان مطالبات کو پورا کر سکیں جن کا ذکر اوپر آیا اور ساتھ ہی اس مالی معیار کے مطابق بھی ہوں کہ سماج کے افراد اس میں شامل ہو سکیں، یعنی وہ صورتیں وقف کے کاموں میں اکثر لوگوں کو حصہ داری کی اجازت دیتی ہوں۔

۸- معاشرہ میں جن چیزوں کی ضرورت ہے ان میں یا ان میں سے کسی ایک میدان میں وقف کے فنڈ بنائے جائیں۔ اس کے لئے یہ دیکھا جائے گا کہ معاشرہ کو کس میدان اور کس چیز میں تعاون کی زیادہ ضرورت ہے۔

۹- وقف کے کاموں کا باریک بینی سے جائزہ اور وقفہ وقفہ سے احتساب کیا جائے تاکہ

خراہیوں کو جان کر ان کی تلافی کی جائے اور خوبیوں کو پرکھ کر مزید آگے بڑھا جائے۔ اس کے لئے ایک باصلاحیت اور ماہر مینجمنٹ کی ضرورت ہوگی۔

۱۰۔ سماج کے ثروت مند اور تاجر طبقہ سے سماج کے تعلقات کو مضبوط بنایا جائے، اس کے لئے مختلف وسائل اور چینل استعمال کیے جاسکتے ہیں، تاکہ ان کے ذریعہ ان اوقاف کو مادی و معنوی طور پر تعاون ملتا رہے۔

۱۱۔ وقف کرنے والوں کی شرطوں کو پوری باریکی کے ساتھ نوٹ کیا جائے تاکہ اوقاف کی حاصل شدہ آمدنیوں کو وقف شدہ میدان میں ہی خرچ کیا جائے اور اس طرح شرعی مصارف میں ان کا صرف عمل میں آئے۔

۱۲۔ اوقاف کے انتظام اور سرمایہ کاری کے لئے انتظامی اور سرمایہ کاری کی صلاحیتوں کو بڑھایا جائے اور ان کو کام میں لایا جائے جو ممتاز بھی ہوں اور اجر و ثواب کی نیت سے کام بھی کریں۔



جدید فقہی تحقیقات

چوتھا باب

وقف کا فقہی پہلو

تفصیلی مقالات:

سماج کے سنگین مسائل کے حل کے لئے اوقاف کا قیام

مولانا دائر ظفر الاسلام اعظمی

۱۔ اس مسئلہ کے تبرع اور قربت فی ذاتہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جو وقف کی اصل روح ہے۔ علامہ شامی تحریر کرتے ہیں: "ان الوقف تبرع"، صاحب تنویر الابصار رقم طراز ہیں: "وأن يكون قربة في ذاته"، شیخ الاسلام ابن تیمیہ تحریر کرتے ہیں: "فأجاب: الحمد لله الأصل في هذا أن كل ما شرط من العمل من الوقوف التي توقف على الأعمال فلا بد أن تكون قربة"، جن اوقاف میں یہ لابدی عنصر موجود نہ ہوگا وہ وقف ہی باطل ہوگا۔

بنابریں مذکورہ عبارتوں سے بطریق تحقیق مناط مطلقہ اور بیوہ خواتین کے لئے اوقاف کی گنجائش نکلی چاہئے، نیز ایک صریح فقہی جزیہ بھی موجود ہے: "وقال: من طلفت فلها أيضاً قسط من الوقف" (البحر الرائق ۵/۱۹۹) مطلقہ اور بیوہ کو بھی وقف سے دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ سوال میں تحریر کردہ مشکلات و پریشانیوں کا حل یہی ہونا چاہئے کہ ایسی بے سہارا و مجبور خواتین کے لئے نظام اوقاف قائم کیا جائے۔

اسلام کی تابناک اور روشن تاریخ میں اوقاف کی آمدنیاں دفاعی امور، افلاس زدہ لوگوں کی امداد، علوم و ثقافت کو فروغ دینے اور وفاقی مصارف میں خرچ کی جاتی تھیں۔

علامہ ابن قدامہ کی تحریر سے بھی جواز کی گنجائش نکلتی ہے: "وسائر الوقف يصرف إلى كل مافيه أجر ومثوبة وخير" (المغنی مع شرحہ ۶/۲۱۳)۔

۲۔ فقہاء کی آراء و نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف درست ہیں: "قال شمس اللامة: فعلى هذا إذا وقف على طلبة علم بلدة كذا يجوز؛ لأن الفقر غالب فيهم" (البحر الرائق ۵/۱۹۹، الفتاویٰ البرازیلیہ علی ہامش الہندیہ ۶/۲۵۸)، نیز اس کے وجوہ خیر میں سے ہونے کے باعث بھی اس میں وقف درست ہے: "الثاني موقوفة صدقة على وجوه البر والخير أو اليتامى جاز مؤبداً كالفقراء" (۵/۲۰۰)۔

جس طرح قرآن عزیز کے مساجد و مدارس پر وقف کرنے کا رواج زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے، اسی طرح اس پر قیاس کرتے ہوئے اہل علم نے دینی کتابیں بھی وقف کی ہیں، کیونکہ دونوں ہی کے مقاصد میں احیاء دین تعلیم و تعلماء ہے: "وعن نصير بن يحيى أنه وقف كتبه إلحاقاً لها بالمصاحف، وهذا صحيح، لأن كل واحد يمسك للدين تعليماً وتعلماً وقراءة، وجوز الفقيه أبو الليث وقف الكتب، وعليه الفتوى كذا في النهاية" (البحر الرائق ۵/۲۰۲)۔

شیخ عبدالحسن محمد عثمان تحریر فرماتے ہیں: "أما عن أهمية التعليم.... كل هذه الأمور جاءت التوجيهات الإسلامية فيها واضحة ومحدودة.... واعتبرها الإسلام من الضرورات وليست من الكماليات" (مجلد فقہ اسلامی بابت وقف ۵۰)، آگے پھر لکھتے ہیں: "وإذا كانت الأوقاف القريبة كذلك غير محتاجة ففي مصالح المسلمين الاجتماعيّة وأموالهم الدعوية والتعليمية أوفي أي مصرف البر الذي يكون أنفع للمسلمين" (مجلد مذکورہ ۱۹۳) اسلام نے تعلیم کی اہمیت اور اس کی عظمت کی طرف واضح طور پر رہنمائی کی ہے اور اسے ضروریات میں سے شمار کیا ہے.... اگر اوقاف قریبہ مستغنی ہوں اور ان میں احتیاج نہ ہو تو مصالح مسلمین و دعوت و تعلیم اور رفاہی مصرف میں خرچ کرنا چاہئے۔

تعلیم کی اہمیت کا اندازہ شیخ محی الدین بن شرف نووی کے اس قول سے بھی ہوتا ہے جس میں انہوں نے تعلیم و تعلم کی غرض سے عورت کو غیر محرم کے سامنے آنے کی اجازت دی ہے اور دلیل میں علامہ تاج الدین سبکی کا قول پیش کیا ہے: ”قد كشفت كتب المذاهب فإنما يظهر عنها جواز النظر للتعليم فيما يجب تعلمه وتعليمه كالفتاححة“ (الاشباه والنظائر للسیوطی ۱۸۱) کتب مذاہب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں کی تعلیم و تعلم واجب ہے ان میں غیر محرم کو دیکھنا جائز ہے جیسے سورۃ فاتحہ، جن حضرات کو بھرپور فقہی بصیرت حاصل ہے ان کو غور کرنا چاہئے کہ عامۃ المسلمین کی مصلحت اور نفع عام کس میں ہے: ”فإن المفتي في سعة أن يفتي بذلك بشرط أن يرى مصلحة المسلمين الاجتماعية ونفعهم العام كما تابع العلامة الشامي الإمام الحلواني والإمام أبا شجاع في نقل أنقاض المسجد“۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فقہی بصیرت کا ہی نتیجہ تھا کہ جب آپ سے کہا گیا کہ غلاف کعبہ بوسیدہ ہو گیا ہے تو آپ نے اس صلح المسلمین کی رعایت کرتے ہوئے غلاف کو فروخت کرا کر اس کی قیمت رفاہی مصرف میں خرچ کی جبکہ غلاف کعبہ پر وقف تھا (مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ ۳۱/۲۲۳)۔

ابن تیمیہ کے فتاویٰ سے بھی ائمہ ومؤذنین وعلوم قرآن وفقہ وسنت سے اشتغال رکھنے والوں کے لئے اوقاف کے جواز کا پتہ چلتا ہے: ”فأجاب - قدس الله روحه - الحمد لله رب العالمين: الأعمال المشروطة في الوقف من الأمور الدينية مثل الوقف على الأئمة والمؤذنين و المشتغلين بالعلم والقرآن والحديث والفقہ ونحو ذلك“ (مجموع الفتاویٰ ۳۱/۵۷)۔

۳۔ قنیہ کے حوالہ سے علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں ایک عبارت تحریر فرمائی ہے جس سے اس طرح کے مصارف میں اوقاف کا ثبوت ملتا ہے: ”وفى القنية: وقف الأدوية

بالتیمار خانہ لا يجوز اذا لم يذكر الفقراء“ (ہسپتالوں میں دواؤں کا وقف اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک فقراء کا ذکر نہ ہو) ہاں فقراء کے ضمن میں اغنیاء بھی شامل ہو جائیں گے اور یہاں تو وہ مالدار ہو کر بھی اس قابل نہیں کہ اس موذی اور کثیر صرفہ والی بیماری سے نجات پاسکیں، اس لئے وہ مالدار بھی غریب ہی کے حکم میں ہیں، چنانچہ ایسے حضرات بھی وقف کا مصرف ہیں۔

۴- ہم لوگ جس ملک میں ہیں وہ ملک نہ تو اسلامی ہے اور نہ زمانہ ہی عہد اسلامی ہے کہ اس طرح کے کار خیر میں حکومتی سطح پر اوقاف کا قیام ہو، اس لئے عامۃ المسلمین کی ذمہ داری ہے کہ اصلاح للمسلمین کی خاطر اوقاف کا نظم قائم کریں تاکہ لاچار و نادار لوگوں کی کفالت، علاج و معالجہ و تعلیم و تعلم کا بندوبست ہو سکے اور اقامت دین، تحفظ دین و دعوت و تبلیغ کی راہیں ہموار ہو سکیں اور اسلام پر آنے والی مشکلات و پریشانیوں کا دفاع کیا جاسکے۔

اب اخیر میں چند تجاویز اور فقہاء کی نصوص پیش ہیں جو تقریباً تمام سوالات کا جواب بن سکتی ہیں:

۱- اوقاف کے مسائل کے استیعاب سے معلوم ہوتا ہے کہ موقوف علیہم کی دو صورتیں ہیں: ایک تو وہ جن کے موقوف علیہم موجود ہیں دوسرے جن کے موقوف علیہم موجود نہیں۔ پہلی صورت میں موقوف علیہم کی زائد اشیاء جس کی اس موقوف علیہ کو نہ تو فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ سوال کردہ مصارف میں خرچ کیا جاسکتا ہے، مثلاً مسجد کی چٹائی، تیل وغیرہ جس کی اس مسجد کو نہ تو اب ضرورت ہے نہ آئندہ تو اسے فقراء و مساکین وغیرہ پر خرچ کیا جاسکتا ہے (المغنی مع شرحہ ۲۲۹/۶، علامہ ابن تیمیہ کی بھی یہی رائے ہے، مجموع الفتاویٰ ۳۱/۲۱۳)۔

۲- دوسرے وہ جن کے موقوف علیہم موجود نہیں معدوم ہو چکے ہیں، ایسے وقف کا استعمال بھی صورت مسئلہ میں جائز ہوگا، کیونکہ اس وقف کا مقصود اصلی صدقہ جاریہ ہے (المغنی مع الشرح ۲۱۷/۶)۔

۳- اسی طرح وہ مساجد و مدارس جن پر اوقاف تھے مگر ان دنوں نہ مسجد ہی ہے نہ مدرسہ ہی اور لوگ وہاں سے ترک سکونت کر چکے ہیں تو ایسے اوقاف کی آمدنی فقراء و مساکین پر خرچ کی جاسکتی ہے (الفتاویٰ المرآۃ علی ہامش البندیہ ۶/ ۲۶۳)۔

۴- وہ اوقاف جو بطور وقف شہرت یافتہ ہیں مگر دیوان قضایا وقف بورڈ میں واقف کی جانب سے شرائط وقف و مصارف وقف کا پتہ نہیں چلتا ہے تو انہیں بھی مذکورہ مصارف میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ صورتیں تو وہ تھیں جہاں اوقاف پہلے سے قائم تھے، انہیں مزید شہر آ و منفعت بخش بنانے کی تدابیر تھیں۔ اب وہ صورتیں پیش خدمت ہیں جہاں از سر نو اوقاف کا قیام ہو۔

۵- مدارس و مکاتب و تعلیم گاہوں پر اس طرح وقف کیا جائے کہ مذکورہ تمام اداروں کا رجسٹریشن سوسائٹی نیز وقف بورڈ دونوں میں اس کے باقی لازم کے ذریعہ ہو اور اس کے دستور و شرائط میں جملہ مقاصد ہوں۔ مدارس کی رجسٹرڈ کمیٹی کے توسط سے مطلقہ اور بیواؤں کی امداد و کفالت (یا ماہانہ پنشن کے طور پر) دینی و عصری اداروں کا قیام، مریضوں کا علاج و معالجہ، دین کا تحفظ اور اس کی دعوت و صحافت و دفاع عن الدین وغیرہ ہوتا رہے۔

۶- ہندوستان کے تمام اوقاف کا سروے کیا جائے اور وہ اوقاف جو منجمد ہیں یا ان کی افادیت کمتر ہے، ان کے بارے میں مرکزی و صوبائی وقف بورڈ سے درخواست کی جائے کہ وہ انہیں فعال اور بیش از بیش منفعت بخش بنائے۔

۷- بیت المال کا قیام ہو اور اس میں دراہم و دنانیر وغیرہ وقف ہوں اور رقوم کو وقف کے زمرہ میں لانے کے لئے مضاربہ کا معاملہ کیا جائے تاکہ ان دراہم و دنانیر پر وقف کی تعریف صادق آسکے: ”قیل: و کیف، قال: یدفع الدراہم مضاربة ثم یتصدق بہا فی الوجه الذی وقف علیہ وما یکال أو یوزن یباع و یدفع ثمنہ لمضاربة“ (شامی قدیم ۳/ ۵۱۸)۔

۸- مذکورہ مسئلہ سے ہٹ کر ایک صورت یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ملک کے طول و عرض میں وعظ و تقریر، صحافت و خطابت و دیگر وسائل سے کام لے کر مسلمانوں اور ارباب خیر سے اپیل کی جائے کہ لوگ اپنی اپنی ماہانہ و یومیہ آمدنی سے کچھ فیصد ان مقاصد کے لئے پس انداز کرتے رہا کریں اور رضا کارانہ طور پر کچھ لوگ اسے وصول کر اس مقصد کے تحت قائم کردہ کمیٹی کے حوالہ کرتے رہیں۔



اوقاف کا قیام کئی مسائل کا بہترین شرعی حل

مولانا راشد حسین ندوی رحمہ اللہ

۱۔ مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

فقراء اور مساکین پر وقف کرنے کی مثالیں ہمیں ہر دور میں کثرت سے مل جائیں گی، لیکن مطلقہ اور بیوہ عورتوں پر الگ سے وقف کرنے کی مثالیں عام طور سے نظر نہیں آئیں گی، اس لئے کہ اسلامی قانون وراثت اور قانون نفقات کی موجودگی میں اس کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں تھی، مطلقہ اور بیوہ اگر مال دار گھرانہ کی ہوتی تھی تو اس کو وراثت ہی میں اتنا کچھ مل جاتا تھا کہ وہ مستغنی ہو جاتی تھی، جن کو وراثت کا مال نا کافی ہوتا تھا اور کچھ دقت ہوتی تھی ان کے لئے نفقات کا مستقل ایک ضابطہ تھا، جس کے تحت اقارب پر اس کی خبر گیری لازمی تھی، اس کی تفصیل علامہ ابن نجیم سے سنئے:

”ولقرب محرم فقیر عاجز عن الکسب بقدر البارث لو موسراً، أي
وتجب النفقة للقرب إلى آخره“ (البحر الرائق ۴/۲۰۹)۔

”وقيد عن الکسب وهو بالأنوثة مطلقاً وبالزمانه ونحوها في الذكر،
فنفقة المرأة الصحيحة الفقيرة على محرمها، فلا يعتبر في الأنثى

إلا الفقر“ (ایضاً ص ۲۱۰)۔

(کمائی سے عاجز ذی رحم محرم نادار کا نفقہ اس کو مالدار فرض کر کے وراثت کے بقدر واجب ہوتا ہے، کمائی سے عاجزی کی جو قید لگائی ہے وہ عورتوں میں مطلقاً رہتی ہے اور مرد میں معذوری اور نابینا وغیرہ ہونے پر ہوتی ہے، اس طرح تندرست محتاج عورت کا نفقہ اس کے محرم پر واجب ہو جاتا ہے اور عورت میں صرف محتاجی کا اعتبار کیا جاتا ہے)۔

لیکن موجودہ دور میں صورت حال میں بڑی تبدیلی آچکی ہے، اسلام کے قانون وراثت کو نظر انداز کر کے عورتوں کو میراث سے محروم رکھا جا رہا ہے، خاص طور سے اتر پردیش جیسے صوبوں میں (جہاں اس قانون پر عمل کرنے میں کچھ قانونی رکاوٹیں بھی ڈال دی گئی ہیں) اس قانون پر عمل کرنے والے انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔

اور قانون نفقات پر عمل تو بالکل ہی ختم ہو گیا ہے، اقارب بیوہ عورتوں اور مطلقہ خواتین کی خبر گیری کرتے بھی ہیں تو اپنی دانست میں احساناً و تبرعاً کرتے ہیں، واجب جان کر نہیں اور خاصی بڑی تعداد تو اس ”احسان“ کی بھی ضرورت نہیں سمجھتی، کچھ لوگ ”زبان خلق“ کے خوف سے اوپری دل کے ساتھ کچھ کرنا بھی چاہتے ہیں تو ”بے چارے“ اپنی بیویوں کے عتاب کے ڈر سے اپنے کو معذور پاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی خبر گیری کی برکات سے یہ لاچار عورتیں اسی وقت مستفید ہو سکتی ہیں جب غیرت و خرد داری کا خون کر دیں اور عزت نفس کا جنازہ نکال دیں۔

ہماری اصل ذمہ داری ہے یہ ہے کہ اسلامی قانون وراثت اور نفقات جاری کرنے کی کوشش کریں یہ مسئلہ تا کہ مستقل طور پر حل ہو جائے، لیکن درمیانی مدت کے لئے یہ بھی مناسب شکل ہو سکتی ہے کہ اوقاف کے ذریعہ ان کا معاشی تکفل کیا جائے، فقراء و مساکین پر کئے جانے والے عام اوقاف سے بھی ان کے زخموں پر مرہم رکھا جاسکتا ہے اور مستقل اوقاف کے ذریعہ بھی۔

۲۔ تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

علماء دین عصری علوم کی طرف بھی توجہ دیں

علماء دین نے دینی مراکز کے قیام کو اپنا مقصد بنایا اور اس کے ذریعہ تحفظ دین اور دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیا، انہیں اس میدان میں بھرپور کامیابی ملی اور اس میدان میں کوئی واقف شخص کسی کوتاہی کا شکوہ نہیں کر سکتا، ہمارے ان اسلاف نے (اللہ ان کے مراقد کو نور سے بھر دے) پورے ہندوستان میں مدراس و مکاتب کا جال بچھا دیا، لیکن ان حضرات نے علوم عصریہ کے مراکز قائم کرنے میں نہ دلچسپی دکھائی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی اور اس وقت یہی مناسب اور مفید بھی تھا تا کہ دانشوران قوم کو اپنے جوہر دکھانے کا بھرپور موقع مل سکے۔

لیکن یہ تجربہ بڑا تلخ رہا ہے، علماء کے دلچسپی نہ لینے کے سبب عصری علوم کے میدان میں مسلمان ابناء وطن سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں، جبکہ علوم دینیہ میں اس طرح کا شکوہ نہیں کیا جاسکتا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۸۰ فیصد نوجوان کالجوں میں جاتے ہیں اور بمشکل ۲۰ فیصد مدارس دینیہ میں آتے ہیں (یہ تعداد ظنی ہے، اندازہ اس سے بھی بڑے فرق کا ہے) لیکن جس کثرت سے دینی علوم کے ماہرین ہمیں ہر طرف مل جاتے ہیں، ڈاکٹرس و کلاء اور انجینئرز اس تعداد میں نظر نہیں آتے۔

لہذا علماء دین کے لئے ضروری ہے کہ اس میدان کی طرف بھی توجہ دیں تا کہ عصری علوم میں بھی ہم اتنی ترقی کر لیں کہ دنیا کی ضرورت بن جائیں اور ہمارے بغیر سائنس، ٹکنالوجی، انجینئرنگ، میڈیسن، سرجری اور دوسرے اعلیٰ علوم کا گلشن بے رونق اور سونا معلوم ہو، اس کے لئے ان شعبہ ہائے علم سے متعلق مراکز کا قیام اوقاف کے ذریعہ ہونا چاہئے۔

۳۔ مریضوں کے لئے اوقاف

تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عہد عروج میں شہر شہر شفا خانوں کا جال بچھایا،

بہاں ہر طرح کی بیماریوں کا علاج ہوتا تھا، بہت سے شفا خانے جانوروں کے علاج کے لئے مخصوص تھے، بعض سنگین بیماریوں کے شفا خانے مستقلاً ان سب کے علاوہ تھے اور عام طور سے ان شفا خانوں کے مصارف ان اوقاف سے پورے کئے جاتے تھے جو مسلمانوں نے شفا خانوں ہی کے لئے خاص طور سے کر رکھے تھے (تفصیل کے لئے دیکھئے: مجلہ الحجۃ الثانیۃ ۱۳۱۵ھ)۔

لیکن افسوس کی بات ہے کہ دوسرے امور کی طرح اس امر میں بھی مسلمان آج پستی کا شکار ہو گئے ہیں، عیسائی مشنریاں بظاہر خدمت خلق کے جذبہ سے لیکن باطن تبلیغی اور تبشیری مقاصد سے جگہ جگہ ہزاروں اسپتال کامیابی سے چلا رہی ہیں اور شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بڑی حد تک اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کر رہی ہیں، لیکن کم ہی ایسے ملی اسپتال اور قابل ذکر شفا خانے ہوں گے جو مسلمانوں کے زیر انتظام کامیابی سے چل رہے ہوں، پہلی بات تو ان اسپتالوں کی تعداد ہی بہت کم ہے اور جو بے بھی وہ اس لائق نہیں قرار دیئے جاسکتے کہ بطور مثال ان کا ذکر کیا جائے۔

البتہ کچھ ایسے پرائیوٹ اسپتال اور نرسنگ ہوم کامیابی سے ضرور چل رہے ہیں جن کو مسلم ڈاکٹروں نے تجارتی مقاصد سے قائم کر رکھا ہے۔

اس سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ کوئی بھی اسپتال اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب وہ کسی ڈاکٹر کے زیر انتظام ہو، لہذا اسپتالوں کے قائم کرنے سے پہلے ضروری ہوگا کہ ملی درد رکھنے والے ڈاکٹرس سے رجوع کیا جائے اور ان کے مشوروں سے کام کو آگے بڑھایا جائے، ورنہ اس مد میں قائم کئے جانے والے اوقاف خواہ مخواہ ضائع ہو جائیں گے۔

جہاں تک کینسر اور ایڈز جیسے امراض کے لئے معیاری اسپتال قائم کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لئے اسی وقت کوشش کی جائے جب عام نوعیت کے طبی مراکز پوری طرح کامیابی سے ہمکنار ہو چکیں، پھر زینہ بزیں ترقی کرتے ہوئے مخصوص اور سنگین امراض کے مراکز بھی قائم کرنا آسان اور ممکن ہو جائے گا۔

۴- تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے اوقاف

دشمنان اسلام نہایت ہی منصوبہ بند طریقہ سے اپنے باطل خیالات نیز دین اسلام کے متعلق طرح طرح کے شکوک و شبہات پھیلا رہے ہیں اور اس کے لئے ہر ممکن ذریعہ اور وسیلہ کو اختیار کر رہے ہیں۔

لہذا ضرورت ہے کہ اس محاذ پر بھی ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا جائے اور ہر ممکن اور جائز ذریعہ سے ان کے زہر کا ازالہ کیا جائے، اوقاف کے ذریعہ بلاشبہ یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے۔

اوقاف کو شمر آور کیسے بنایا جائے

احقر کے خیال میں بہتر یہ ہوگا کہ اس کے لئے ماہرین اقتصادیات سے مدد لی جائے، پھر اوقاف کی شرائط کی روشنی میں ان کے مشوروں کے مطابق اوقاف کو زیادہ شمر آور اور نفع بخش بنانا انشاء اللہ ممکن ہو سکے گا۔



اوقاف کی فضیلت، تاریخ اور موجودہ دور میں ان کے قیام کی بعض عملی صورتیں

مولانا عبدالحق ندوی -

وقف کی فضیلت اور اس کی تاریخ

وقف ایک ایسی عبادت ہے جس کا ثواب ہمیشہ جاری رہتا ہے، رسول اکرم ﷺ کے سامنے جب کبھی کوئی معاشرتی یا اقتصادی مسئلہ آتا تو آپ وقف و صدقات کی ترغیب دیتے تھے، ہجرت کر کے جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں پینے کے میٹھے خوشگوار پانی کی قلت تھی، ایک کنواں بئر رومہ نامی تھا جس کا پانی بڑا لذیذ اور انتہائی خوشگوار تھا، آپ ﷺ نے صحابہ کے مابین اس کا باضابطہ اعلان فرمایا کہ کون ہے جو بئر رومہ کو خرید کر اللہ کے لئے وقف کر دے اور جنت کا حق دار بن جائے، یہ فضیلت چونکہ حضرت عثمان کے مقدر میں تھی اس لئے آپ ہی نے وہ کنواں خرید کر تمام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا، خود بھی عام مسلمانوں کی طرح جا کر اس سے پانی بھرتے تھے، "قال عثمان: أنشدكم بالله وبالإسلام هل تعلمون أن رسول الله ﷺ قدم المدينة وليس بها ماء يستعذب به غير بئر رومة فقال: من يشتري بئر رومة فيجعل فيها دلوه مع دلاء المسلمين بخير له منها في الجنة فاشتريتها من صلب مالي فجعلت دلوي فيها مع دلاء المسلمين" (بخاری، کتاب الوصایا ۳۳، باب إذا وقف أرضاً أو بئراً، النسائی، کتاب الأحباس حدیث: ۲۶۳۸) (میں تم سے اللہ اور اسلام کا

واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم ہے، رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہاں بر رومہ کے علاوہ کوئی اور میٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا، آپ نے فرمایا: کون ہے جو بر رومہ کو خرید لے اور خود بھی عام مسلمانوں کی طرح وہاں سے پانی لے (یعنی وقف کر دے) اور جنت میں اس سے کہیں بہتر چشمہ پائے، اس وقت میں نے ہی اپنے ذاتی مال سے وہ کنواں خریدا اور اپنا حصہ بھی اس میں عام مسلمانوں کی طرح رکھا، صحابہ نے کہا کہ عثمان! تم سچ کہتے ہو۔

جہاں تک زمین یا جائیداد اللہ کے راستے میں وقف کرنے کا معاملہ ہے اس میں بلاشبہ اولیت حضرت عمر کو حاصل ہے، جب آپ نے اپنی خیر والی زمین وقف کی تو عام مہاجرین کا خیال یہی تھا کہ یہ اولین وقف ہے جو اللہ کے راستے میں کیا گیا۔

”عن عمرو بن سعد بن معاذ قال: سألنا عن أول حبس في الإسلام فقال المهاجرون: صدقة عمر، وقال الأنصار: صدقة رسول الله ﷺ“ (فتح الباری ۵/۴۰۳، کتاب الوصایا)۔

حضرت عمرو بن سعد بن معاذ کہتے ہیں: ہم نے صحابہ کرام سے اسلام میں اولین وقف کے بارے میں دریافت کیا، مہاجرین کا کہنا تھا کہ اولین وقف حضرت عمر کا تھا جبکہ انصار نے کہا کہ اولین وقف رسول اکرم ﷺ کی طرف سے تھا۔

واقعی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جو زمین اللہ کے لئے وقف کی گئی وہ خیریت کی تھی۔ ان کا تعلق بنو ثعلبہ سے تھا، یہود کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ دعوت حق آپ پر اثر انداز ہوئی، انہوں نے احد کے دن اپنی قوم کو دعوت دی کہ رسول اکرم ﷺ کے شانہ بشانہ لڑیں، اس لئے کہ آپ نبی برحق ہیں، قوم نے انکار کیا، خود جنگ میں شرکت کی، بے جگری سے لڑے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ خاصے صاحب جائیداد تھے۔ مدینہ میں آپ کے سات باغات تھے، انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرا مال رسول اکرم ﷺ کے حوالہ ہے، آپ جیسا چاہیں تصرف کریں، آپ نے سارا مال مسلمانوں کے لئے وقف

فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا: مخیر لِق قوم یہود میں سب سے بہتر ہیں، رضی اللہ عنہ وأرضاه (البدایہ والنہایہ ۲/۲۳۶، ۳/۳۸)، حضرت محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ یہ اسلام کا اولین وقف تھا (البدایہ والنہایہ ۳/۲۳۶، ۳/۳۸)، اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے اور واقعہ کی تاریخی حیثیت مسلم ہونے کی بنا پر اس روایت کو مجروح نہ قرار دیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے وقف کی صرف تحریض ہی نہیں کی بلکہ عملاً اپنی زمین وقف بھی فرمائی ہے، اس لحاظ سے وقف سنت قولی بھی ہے اور سنت عملی بھی، پھر آپ ﷺ کے انتقال کے بعد تو آپ کی ساری زمین و جائداد ایک طرح سے وقف ہی مانی گئی۔ ”نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركنا فهو صدقة“ (بخاری، کتاب فرض الخمس، فضائل اصحاب النبی ۱۲، مسلم، کتاب الجہاد: ۴۹، ۵۲) (گویا تمام انبیاء کرام کا چھوڑا ہوا مال یا تو صدقہ ہوتا تھا یا پھر مسلمانوں پر وقف)، رسول اکرم ﷺ کی اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ حضرات صحابہ کرام بھی اس مبارک عمل میں سب سے پیش پیش رہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ”لم يزل العدد الكثير من الصحابة فمن بعدهم يلون أوقافهم“ (فتح الباری ۵/۳۰۳) (صحابہ کرام اور آپ کے بعد والوں کی ایک کثیر تعداد اپنے اوقاف کی دیکھ رکھ خود کرتی تھی) اس سے معلوم ہوا کہ ایک کثیر تعداد نے اپنے مال کا کچھ حصہ اللہ کے راستہ میں وقف کر رکھا تھا، حضرت جابر بن عبد اللہ الانصاری فرماتے ہیں: ”فما أعلم أحداً ذا مقدرة من أصحاب رسول الله ﷺ من المهاجرين والأنصار إلّا حبس مالا من ماله صدقة موقوفة لا تشتري ولا تورث ولا توهب“ (المغنی لابن قدامة ۶/۱۸۵، ۱۸۷، کتاب الوقوف: ۱۸۷، ۱۸۸) (حضرت ۱۲۳) (رسول اکرم ﷺ کے مہاجر و انصار صحابہ میں جو ذرا وسعت والے تھے کوئی ایسا نہ تھا جس نے اپنا کچھ نہ کچھ مال راہ خدا میں وقف نہ کیا ہو، جس کو نہ خریدا جاسکتا تھا نہ بیہ کیا جاسکتا تھا اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی تھی) بعد میں تو اوقاف کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑا جس کی نظیر کسی اور قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وقف اہل اسلام کی خصوصیت ہے، یعنی زمین و جائداد کو

وقف کرنا، زمانہ جاہلیت میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی نے اپنی زمین یا جائیداد وقف کی ہو (فتح الباری ۵/۴۰۳)۔

وقف کن لوگوں پر کیا جائے

وقف ہر طرح کے لوگوں پر کیا جاسکتا ہے، حضرت عمرؓ نے جن اصناف پر اپنی زمین وقف فرمائی تھی ان میں درج ذیل قسمیں شامل تھیں:

(۱) فقراء، رشتہ دار، اس سے مراد واقف کے اقرباء بھی ہو سکتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ کے اقرباء بھی ہو سکتے ہیں، پہلی توجیہ رائج ہے۔

(۲) فی سبیل اللہ (اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین اسلام)۔

(۳) غلاموں کی آزادی کے لئے۔

(۴) مہمان۔

(۵) مسافر (فتح الباری ۵/۳۹۹، باب الوقف کیف یکتب)۔

حضرت عثمان کا وقف عامۃ المسلمین کے لئے تھا۔ حضرت ابن عمرؓ نے اپنا گھر آل عمر کے ضرورت مندوں کے لئے وقف فرمایا تھا، حضرت انسؓ نے اپنا ایک گھر وقف کیا تھا جو مدینہ منورہ میں تھا، جب آپ حج کے لئے تشریف لے جاتے تو قیام مدینہ کے دوران وہیں رہتے۔

حضرت زبیرؓ نے اپنے بعض مکانات اپنی ان بیٹیوں کے لئے وقف کئے تھے جو طلاق بائنہ پا چکی تھیں، یا ان کے شوہر کے انتقال کر جانے کی بنا پر ان کے لئے رہائش کا کوئی نظم نہ تھا (فتح الباری ۵/۴۰۶)۔

ان تمام احادیث اور واقعات کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اوقاف صرف ضرورت و حاجت کے لئے ہی نہیں بلکہ راحت کے لئے بھی ہو سکتے ہیں، عمومی بھی ہو سکتے ہیں اور خصوصی بھی۔ محدود بھی اور لامحدود بھی، بالخصوص رسول اکرم ﷺ کے طرز عمل سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ ضرورت کے وقت وقف کرنے سے اجر میں بھی بہت اضافہ ہوتا ہے یہاں تک کہ حضرت عثمان

نے میٹھے پانی کا کنواں خرید کر وقف کر دیا تو آپ نے ان کو جنت کی بشارت سنائی اور ان کے اس عمل کی بڑی پذیرائی فرمائی۔

اوقاف میں اجتماعی ضرورت کا لحاظ

اوقاف میں اجتماعی ضرورتوں کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی، ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک باندی آزاد کی، جب آپ ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: اگر تم اپنے احوال یعنی ماں کے خاندان والوں کو یہ باندی بہہ کرتیں تو تمہیں اجر و ثواب اور زیادہ ملتا (بخاری، کتاب الصیام، ۱۵، مسلم، کتاب الزکاة، ۴۴)، یہاں بات تو بہہ کی ہے لیکن غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ آزادی جیسے افضل ترین عمل پر بھی کبھی کبھی اجتماعی ضرورتیں بازی لے جاتی ہیں، موجودہ دور کا مسئلہ انتہائی حساس ہے۔

یہ مشترکہ مسئلہ علماء امت اور اصحاب ثروت دونوں کا مشترکہ مسئلہ ہے کہ ایسے اوقاف قائم کئے جائیں جن کے ذریعہ ملت اسلامیہ ہند یہ آزمائش کے اس دور سے نکل جائے اور ایک بہتر مستقبل کی طرف پیش قدمی کر سکے۔

۱۔ مریضوں کے لئے اوقاف

اسلام جسمانی صحت پر کافی زور دیتا ہے اور اسے انسان کے ذاتی حق کے ساتھ ساتھ شرعی تقاضا بھی قرار دیتا ہے، اسلام میں ایسے مؤمن کو جو طاقور ہو اللہ کی نظر میں زیادہ محبوب اور پسندیدہ بتایا گیا ہے: "المؤمن القوي خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف وفي كل خير" (مسلم)، اسی طرح یہ بات بھی زور دے کر کہی گئی ہے کہ آدمی پر اس کے جسم کا بھی حق ہے: "وان لجسدك عليك حقاً" (بخاری، کتاب الصوم، ۵۱، ۵۳، ۵۵، مسلم کتاب الصیام، ۱۸۳، ۱۸۷)، خود رسول اکرم ﷺ سے مختلف امراض کے علاج اور اس کی ترکیبیں بھی ثابت ہیں، احادیث کی کتابوں میں کتاب الطب کے عنوان کے تحت بہت سارے محدثین نے

احادیث درج کی ہیں بلکہ طب نبوی پر علماء امت کی مستقل تصنیفات بھی ہیں، ہماری تہذیب، ہماری تاریخ اور ہمارا شاندار ماضی اس کی گواہی دیتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ عالم اسلامی کا چھوٹے سے چھوٹا بڑے سے بڑا شہر ایسا نہ تھا جہاں ایک سے زیادہ اسپتال نہ ہوں، ان کے لئے بڑی بڑی جائدادیں وقف ہوتی تھیں، ایک وقت ایسا تھا کہ صرف قرطبہ میں پچاس بڑے اسپتال تھے (من روائع حضارت اللہ کتور مصطفیٰ السباعی ص ۱۴۰)۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے علم دین کے بعد علم طب کو سب سے افضل قرار دیا ہے، علم دین انسان کی روحانی بالیدگی کا سامان کرتا ہے اور انسان کی معنوی شخصیت کی بقاء کی ضمانت لیتا ہے، اسی طرح علم طب انسانی جسم کو صحت اور عافیت کے ساتھ رکھنے کی کوشش کرتا ہے، امام شافعی فرماتے ہیں: "لا أعلم علماً بعد الحلال والحرام أنبل من الطب" (سیر اعلام النبلاء، للذہبی ۱۰/۵۷) (حلال و حرام کے علم کے بعد طب سے بڑھ کر کوئی علم نہیں ہے)۔

اوقاف سے متعلق کرنے کے کام

اوقاف کے میدان میں ہمیں دو طرح کے کام کرنے ہوں گے:

پہلا کام نہایت اہم ہے وہ یہ کہ ہمارے سابقہ اوقاف جن میں اکثر عمومی اور مطلق تھے ان کو واگذار کروایا جائے، اس کے لئے قانونی لڑائی لڑی جائے، ان اوقاف پر جو بددیانت افراد حاوی ہیں ان کو بے دخل کیا جائے، اگر وہ اوقاف حکومت کے قبضہ میں ہیں تو حکومت کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے، ان ہمدردان ملت کی جائدادوں کو از سر نو قابل انتفاع بنایا جائے، بھیڑیا صفت افراد کے قبضہ میں موجود ہمدردان ملت کی جائدادوں کو از سر نو قابل انتفاع بنایا جائے جو اوقاف کے ایندھن سے اپنے لئے جہنم کی آگ بھڑکا رہے ہیں، صرف پنجاب، آندھرا پردیش، مدھیہ پردیش، کرناٹک اور بہار میں کل جائداد اوقاف کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار کے لگ بھگ ہے، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہی جن میں مدھیہ پردیش میں ۵۷ فیصد سے

زائد اوقاف ناجائز قبضہ میں ہیں اور پنجاب میں ۶۰ فیصد کے قریب ناجائز قبضہ میں ہیں (ہندوستان میں وقف بورڈس کا نظام، رپورٹ، سالانہ محمد خاں ص ۶)، اس کے علاوہ ہر صوبہ کے اوقاف میں ایک بڑا حصہ یا تو حکومت کے ناجائز قبضہ میں ہے، یا پھر بدیانت متولیان کے ہتھے چڑھا ہوا ہے، اوقاف کی واگذاری کے لئے مسلمانوں کی نمائندہ تنظیمیں اگر یکجا ہو کر یہ کام کریں تو بہت کچھ مفید نتائج نکل سکتے ہیں، بالخصوص مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے اگر ایک ”بحالی اوقاف فورم“ قائم کیا جائے تو امکان ہے کہ امت کی یہ امانتیں ملت کے تعمیری کاموں میں پھر سے استعمال ہوسکیں۔

دوسرا کام یہ ہے کہ نئے اوقاف قائم کئے جائیں۔

مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

یہ سماج کا سلگتا ہوا مسئلہ ہے، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس زمانے میں مسلم معاشرے میں بھی معاشی ناہمواریوں کی بنا پر بہت ساری خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، اسلام نے مطلقات اور بیواؤں کی کفالت کے لئے جو ترتیب قائم کی تھی آج مسلم معاشرہ کا ایک بڑا حصہ عملاً اس سے کنارہ کش ہو چکا ہے، فقہ شافعی کی رو سے معاشی کفالت کی ذمہ داری ترتیب وار چلتی ہوئی بیت المال تک جا پہنچتی ہے، اگر بیت المال کا نظم نہ ہو تو اس علاقہ کے اصحاب ثروت اس کے ذمہ دار ہیں، اگر وہ بھی اپنی ذمہ داری ادا نہ کریں تو پھر یہ ذمہ داری اور پھیلتی ہے، یہاں تک کہ کفایہ وجوب پوری قوم پر عائد ہوتا ہے، اس کی رو سے دیکھا جائے تو جو خاتون بھی معاشی بد حالی سے تنگ آ کر اپنے لئے غلط راستے ڈھونڈ لیتی ہے اس کا ذمہ دار پورا معاشرہ ہوگا اور ہر ایک کے ذمہ اپنے حصہ کے بقدر گناہ کا بوجھ ضرور ہوگا، لہذا بیواؤں اور مطلقات کے لئے اوقاف کا نظم اگر معاشی کفالت کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ ہو تو پورے معاشرے کی یکساں ذمہ داری ہے، یہ کام اتنا عظیم اور اہم ہے کہ ایسے شخص کو رسول اکرم ﷺ نے مجاہد فی سبیل اللہ، قائم المیل اور صائم النہار سے

تشبیہ دی ہے، ارشاد رسالت ہے: ”الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله وأحسبه قال: وكالقائم لا يفتر وكالصائم لا يفطر“ (بخاری، مناقب: ۱۰۱، ۲۶، ۲۵، مسلم، کتاب الزہد: ۴۱) (بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے، راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ ایسا نمازی ہے جو بلا تکان نماز پڑھتا جائے، یا ایسا روزہ دار ہے جو ہمیشہ روزے سے رہے)، حضرت عمرؓ تو ان عورتوں کے گھر بھی تشریف لے جاتے جن کے شوہر وقتی طور پر جنگی مصروفیات کی بنا پر غائب رہتے اور ان خواتین کی ضروریات پورا کرنے پر خاص توجہ فرماتے، آج کل اس طرح کے واقعات صرف پڑھنے اور سر دھننے کے لئے رہ گئے ہیں، عملی اقدام کرنے والے بس چند گنے چنے لوگ ہی رہ گئے ہیں۔

اوقاف کو مفید اور ثمر آور کیسے بنایا جائے؟

جہاں تک اوقاف کو مفید اور ثمر آور بنانے کا معاملہ ہے تو اس کی شرط اول دیانت داری ہے، امت مسلمہ میں جب تک اس صفت کا وجود رہا اوقاف نے ایسے حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، اوقاف بلاشبہ حکومت کے اندر ایک پوری حکومت کا کام انجام دیتے تھے، مسجدیں، مدرسے، اسکولس، یونیورسٹیاں، شفا خانے، کارخانے، سڑکیں، سرائے خانے، کنویں، قبرستان، پل، رہائشی مکانات، لائبریریاں، قلعے، رصد گاہیں، کونسا ایسا تہذیبی و تمدنی سرمایہ تھا جو اوقاف کے ذریعہ محفوظ نہ رکھا گیا ہو، آج یہ صفت عنقا ہے، ضرورت ہے ایسے دیانت دار افراد کی جو اسے سنبھال سکیں، سالار محمد خاں (ایڈوکیٹ) کی رپورٹ میں جو ہندوستان میں وقف بورڈس کے نظام سے متعلق ہے، یہ بات صاف طور پر دیکھی جاسکتی ہے کہ وقف سے متعلق آج کے سنگین مسائل میں سب سے مشکل اور پیچیدہ مسئلہ اوقافی جائیداد پر غاصبانہ قبضہ ہے، جس کی وجوہات میں ایک اہم ترین وجہ متولیان کی بددیانتی ہے، حدیث شریف میں ایسے

لوگوں کے بارے میں یہ ارشاد نبوی کافی ہے: ”ان رجالا يتخوضون في مال الله بغير حق فلهم النار يوم القيامة“ (بخاری، خمس ۷) (کچھ لوگ اللہ کے مال میں ناحق مداخلت کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے قیامت کے دن آگ ہے)، جب ناحق مداخلت پر یہ وعید ہے تو ناجائز تصرف اور غاصبانہ قبضہ پر کیا کچھ وعیدیں نہ ہوں گی، غور کرنے کا مقام ہے، اس کا حل بعض حضرات نے یہ سوچا ہے کہ اگر متولی وقف خائن یا بددیانت ہو تو موقوفہ مال کو موقوف علیہ کے زیر تصرف دے دیا جائے، اس لئے کہ وقف کا فائدہ تو موقوف علیہ کی ملک ہے، لہذا اسے کل وقف ہی کا مالک بنادیا جائے تو مناسب ہوگا، لیکن یہ حل کوئی آسان نہیں ہے، اس لئے کہ اگر وقف کی جہت عام ہو یا موقوف علیہ فقراء و مساکین ہوں تو یہ لوگ وقف کو کس طرح سنبھال سکتے ہیں، دوسرے یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب موقوف جائداد کا مالک ہی موقوف علیہ کو قرار دیا جائے، جو بہر حال کمزور مسلک ہے، ورنہ رائج مسلک تو یہی ہے کہ اصل وقف کی ملکیت اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

اسلام کی ابتدائی صدیوں ہی سے مدارس اور ان کے لئے اوقاف کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، جن میں کچھ مشہور مدارس یہ ہیں: مدرسہ نظامیہ، مدرسہ صالحیہ، مدرسہ طاہریہ، مدرسہ صلاحیہ، مدرسہ عباسیہ وغیرہ (مجلۃ البحوث الفقہیہ ۱۳۱۵، رجب شعبان رمضان ۱۴۵، ۱۴۶)۔

یہ تمام مدارس اوقاف سے چلتے تھے، مدرسہ نظامیہ کے بارے میں تاریخ العرب میں ہے: ”یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ مدرسہ نظامیہ وہ معیاری درس گاہ تھی جس کی تقلید یورپ کے ان دانش کدوں نے بھی کی جو بعد میں جامعات یعنی یونیورسٹیز کی حیثیت سے مشہور ہوئے“ (نگارشات، مولانا عبد اللہ عباس ندوی بحوالہ Hitti-History of the Arabs -P- 260)۔ خود امام شافعیؒ نے ایک مدرسہ قائم فرما کر اس کے لئے اپنا گھر وقف کر دیا تھا، مدارس اور ان کے لئے

اوقاف کا سلسلہ بعد کی صدیوں میں اس قدر ترقی کر گیا کہ مشہور سیاح ابن جبیر کے مطابق جب اس نے دمشق کا دورہ کیا تو وہاں چار سو مدارس وقف کے تھے (مجلۃ المجوٹ الفقہیہ المعاصرہ، ۱۳۱۵، رجب شعبان، رمضان ص ۱۲۷)، نعیمی نے کچھ مدارس اور ان کے لئے وقف کی ہوئی جائیدادوں کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے، جس کے مطابق صرف دمشق میں فقہ حنفی کی تدریس کے ۵۲ مدارس، فقہ شافعی کی تدریس کے ۶۳ مدارس اور فقہ حنبلی کے گیارہ مدارس تھے (ایضاً ص ۱۲۷)، دمشق کا سرسبز و شاداب قطعہ جسے غوطہ دمشق کہا جاتا تھا، یہ لگ بھگ پورا کا پورا وقف تھا (مجلۃ المجوٹ الفقہیہ المعاصرہ، رجب شعبان، رمضان ص ۱۳۰) بالخصوص تعلیمی امور کے لئے، اس کے علاوہ چھوٹے موٹے مکاتب کی تعداد تو بے شمار تھی، اس کے لئے جو اوقاف تھے وہ صرف طلبہ کی رہائش ہی کے لئے نہیں تھے، بلکہ ان کے کھانے پینے دوا علاج اس سے آگے بڑھ کر ان کے بیوی بچوں تک کی کفالت کا ان مدارس کے اوقاف میں بھرپور انتظام تھا (ایضاً ص ۱۲۷، ۱۳۶)، اس کثرت و فراخی کو دیکھ کر ابن جبیر نے یہاں تک کہہ دیا: تكثر الاوقاف على طلبة العلم في البلاد الشرقية فمن شاء الفلاح فليرحل اليها (ایضاً ص ۱۲۹) (تشنگان علم کے لئے تو مشرقی ممالک میں اوقاف کی بہتات ہے، جو بھی نمایاں کامیابی حاصل کرنا چاہے وہیں جائے)، ابوالنعیم رضوان النصری نے غرناطہ میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی، اس کے اخراجات کا بندوبست کیا اور اس کے لئے جائیدادیں وقف کیں، یہ مدرسہ اپنی مثال آپ تھا، خوش نمائی، وسعت، حسن ذوق اور شان و شکوہ کا نمونہ تھا، اس کے لئے ایک کثیر مقدار میں نہر سے پانی آنے کا راستہ بنایا گیا تھا (نگارشات عبداللہ عباس ندوی ۸۴، بحوالہ الا حاطی فی اخبار غرناطہ، لسان الدین ابن الخطیب)۔

تعلیم و تعلم اور علم و فن کی ترقی کے لئے مسلمانوں نے مساجد کے ذریعہ بھی خوب خوب کام لیا ہے اور ان پر بہت کچھ وقف کیا ہے، یہ مسجدیں صرف نماز و خجگانہ کے لئے نہیں ہوتی تھیں بلکہ ان میں سے اکثر علمی مراکز کی حیثیت رکھتی تھیں، اندلس کی مسجد قرطبہ، مراکش کی جامع قزوین، قاہرہ کی جامع ازہر، دمشق کی مسجد اموی اور تیونس کی جامع الزيتونہ، یہ سب فی الحقیقت

مساجد تھیں جو آہستہ آہستہ پوری یونیورسٹی کی شکل اختیار کر گئیں، ان میں جامع ازہر، جامع قزوین اور جامع الزيتونہ پر بہت کچھ اوقاف تھے جن سے ان کا پورا خرچ چلتا تھا (مجلۃ البحوث الفقہیہ المعاصرہ ۱۴۱۵ رجب شعبان رمضان ص ۱۲۶)۔

اسی طرح مکتبات یعنی لائبریریوں کے لئے بھی اچھے خاصے اوقاف ہوا کرتے تھے، یہ محض لائبریریاں نہ تھیں، بلکہ علم و فضل کی دانشگاہیں تھیں، جہاں علم کا دریا بہتا تھا، دنیا جہاں کے محققین یہاں اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے آتے تھے، ان پر اوقاف کی آمدنی دل کھول کر خرچ کی جاتی تھیں، جو بھی کتابوں سے استفادہ کے لئے دور سے آتا اسے یہ سہولتیں ضرور ملتی تھیں، رہائش، اسکا لرشپ اور صفائی ستھرائی کا بے مثال نظم تھا، مثلاً ان کے لئے خاص غسل خانے ہوتے جسے عام آدمی استعمال نہیں کر سکتا تھا، طبی خدمات اور ان کے لئے اسپیشلسٹ ڈاکٹرس ہوتے جو وقتاً فوقتاً ان کا چیک اپ کرتے، بیمار ہونے پر ان کے لئے مخصوص اسپتال ہوتے، گویا وی آئی پی شفا خانے ہوتے جہاں ہر طرح سے ان کی دیکھ بھال ہوتی، اس کے علاوہ خادمین کی سہولت الگ سے میسر تھی جو روزمرہ کے کام انجام دیتے (ایضاً ص ۱۲)، گویا ان محققین کو تمام فکروں سے فارغ کر دیا جاتا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس زمانہ میں ایسے ایسے محققین پیدا ہوئے جن کے کارناموں پر آج بھی دنیا فخر کرتی ہے۔

کچھ مکتبات کا حال آپ بھی سن لیں:

مکتبۃ الخلفاء الفاطمیین، یہ فاطمی خلفاء کی لائبریری تھی جہاں اکثر مورخین کے نزدیک بیس لاکھ کے لگ بھگ کتابیں تھیں (من روائع حضارت اللدکتور مصطفیٰ السبائی ص ۱۵۹)۔

مکتبہ دارالحکمہ، قاہرہ: یہ مکتبہ حاکم بامر اللہ کا قائم کیا ہوا تھا، ۳۹۵ھ میں اس میں لگ بھگ ساڑھے سات لاکھ کتابیں تھیں (ایضاً ص ۱۵۹)۔

بیت الحکمہ: اسے ہارون رشید نے قائم کیا تھا، مامون کے دور میں یہ اوج کمال کو پہنچا، روم و یونان کی اکثر کتابوں کا ترجمہ جب مامون کے حکم سے کیا گیا تو وہ کتابیں اسی مکتبہ کی زینت

نہیں، یہ ایک پوری یونیورسٹی تھی، جہاں محققین مطالعہ کرتے اور آپس میں تبادلہ خیال بھی ہوتا، گویا اسے اپنے زمانے کا علمی و تحقیقی بے مثال مرکز قرار دیا جاسکتا ہے (ایضاً ص ۱۵۹، ۱۶۰)۔

مکتبہ بنی عمار، طرابلس، یہاں کی کتابوں کی تعداد مناسب اندازے کے مطابق بیس لاکھ کے قریب تھی (ایضاً ص ۱۶۰)۔

ان مدارس و مکتبات میں علوم عصریہ کی بھی تعلیم ہوتی تھی اور اس کے لئے بھی خوب خوب اوقاف تھے، مسلمانوں نے اس میں اپنوں اور غیروں کی بھی تفریق نہیں کی، غیر بھی اوقاف کی سہولتوں سے فائدہ اٹھاتے تھے (مجلۃ البحوث الفقہیہ المعاصرہ، رجب شعبان رمضان ۱۴۱۵ھ، ص ۱۲)۔

ان ہی موقوفہ مدارس میں پڑھ کر امام غزالی جیسے نابغہ روزگار افراد پیدا ہوئے اور دنیا پر چھا گئے، ان ہی مدارس سے کسب فیض کر کے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شافعی ثانی بنے، متقدمین بلکہ متوسطین میں کسی کی بھی سیرت اٹھائیے اکثر یہ ملے گا کہ ان کی تعلیم فلاں موقوفہ مدرسہ میں ہوئی، اس ناحیہ سے دیکھا جائے تو دینی علوم کی ترویج و اشاعت میں اوقاف کا کردار کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

تعلیم و تعلم کے لئے اگر خدا نخواستہ دائمی اوقاف کا قیام نہ ہو پارہا ہو تو اتنا ضرور کیا جاسکتا ہے کہ عارضی طور ہی پر اہل ثروت سے فائدہ اٹھایا جائے، ان کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ ان غریب مگر ذہین بچوں کا خیال رکھیں جو صرف غربت کی بناء پر حق تعلیم سے محروم ہو رہے ہوں، پھر ہر متمول شخص کم سے کم ایک طالب علم کا بار تو اپنے ذمہ لے، اپنی زندگی سہولت سے گزارنے کا یہ سب سے آسان اور ثواب سے بھرپور راستہ ہے کہ آدمی دوسروں کی مدد کرے، ”واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون أخیه“ (اللہ اپنے بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے)، رسول اکرم ﷺ نے نبوت ملنے سے قبل ہی یہ مبارک عمل اپنے حق میں لازم کر لیا تھا، حضرت خدیجہ نے جن الفاظ میں آپ کی توصیف کی ہے، ان کا پہلا جملہ ہی یہ ہے کہ آپ تو دوسروں کا بوجھ ڈھوتے ہیں، اللہ آپ کو رسوا کیسے کر سکتا ہے:

کلا واللہ لا یخزیک اللہ أبدا انک تحمل کل (بخاری، بدء الوجود ۳، کفایہ ۴، مسلم، کتاب الایمان ۲۵۲)، ان احادیث کی روشنی میں کسی بھی تاجر سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ کسی ایک طالب علم کی مکمل تعلیم اپنے ذمہ لے اور اپنے نفع کا ایک حصہ اس پر خرچ کرتا رہے، یہاں تک کہ وہ اپنی تعلیم سے فارغ ہو جائے، کوئی صاحب جائداد اپنی زمین اگر وقف نہ کرنا چاہے تو اتنا ہو سکتا ہے کہ اپنی پیداوار کے ایک حصہ کو کسی طالب علم کی تعلیم پر خرچ کرنے کے لئے الگ کر لے، اوقاف کے ذریعہ اگر دائمی اور پائدار کام نہ ہو رہے ہوں تو اس طرح کے عارضی اور وقتی کام تو کئے جاسکتے ہیں، پھر یہ چھوٹی موٹی کوششیں بھی رنگ لائیں گی، فرض کیجئے کسی علاقے میں بیس بڑے مالدار ہیں اور وہ بیس غریب مگر ذہین طلبہ کو پڑھا لکھا کر اچھا شہری بنائیں، کیا یہ طلبہ آئندہ چل کر اپنے جیسے کئی اور طلبہ کا سہارا نہیں بنیں گے؟ بس ترتیب قائم کرنے پھر اسے قائم رکھنے کی ضرورت ہے، مالدار صحابہ نے اسی طرح نادار صحابہ کو آگے بڑھایا ہے، پھر دنیا نے دیکھا کہ (عجم) میں ایسے ایسے نابغہ روزگار افراد پیدا ہوئے کہ آج علمی دنیا کی گردن ان کے احسانات سے جھکی ہوئی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے کسی کاریگر کی مدد کرنے کو بھی افضل عمل بتایا ہے (بخاری، کتاب الاعتق ۳، مسلم، کتاب الایمان ۲۵۲)، اس زمانے میں ”علم“ سے بڑھ کر کوئی صنعت ہو سکتی ہے، ضرورت ہے کہ انفاق فی سبیل الخیر کے جذبہ کو تازہ رکھا جائے، جو اس امت کا نمایاں امتیاز ہے۔



معاشی مسائل کے حل میں اوقاف کا کردار

مولانا بلال احمد القاسمی ☆

وقف کی شرعی حیثیت

”الاسعاف“ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سات باغوں کو وقف کیا جو اسلام میں پہلا وقف خیری تھا، یہ باغات ”مخیریق“ نامی ایک یہودی کے تھے، جو ہجرت نبوی کے بتیسویں ماہ کے آغاز میں اس وقت مارا گیا جب وہ غزوہ احد میں مسلمانوں کی طرف سے شریک قتال تھا، اس نے وصیت کی کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرے اموال محمد ﷺ کے لئے ہوں گے، وہ انہیں اللہ کی مرضی سے صرف کریں گے، احد کے دن یہودیت پر ہی اس کی موت ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”مخیریق اچھا یہودی تھا“ نبی کریم ﷺ نے ان سات باغوں کو اپنی تحویل میں لے کر انہیں صدقہ یعنی وقف کر دیا، پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وقف ہوا، پھر صحابہ کرام کے اوقاف مسلسل ہوتے گئے (الاسعاف فی احکام الاوقاف لبرہان الدین بن ابراہیم بن ابی بکر الطرابلسی ص ۹-۱۰)۔

نبی کریم ﷺ نے صدقہ جاریہ کی ترغیب دی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان ایسی مفید خدمت انجام دے جس کا فائدہ محض وقتی نہ ہو بلکہ اس کے گزر جانے کے بعد بھی اس کا فائدہ جاری رہے اور اس کا اجر و ثواب اس کو مسلسل ملتا رہے۔ نیل الاوطار میں ہے: ”اذا مات ابن

آدم انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية، أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له“ (۱۲۷/۶)۔

وقف کی تعریف

وقف کے معنی لغت میں روکنے کے ہیں، پھر یہ اسم مفعول یعنی موقوف کے معنی میں مشہور ہو گیا (الدرمع الرد ۳/۳۵۷)۔

وقف کی شرعی تعریف میں حضرات صاحبین اور امام صاحب کا اختلاف ہے۔
امام صاحب کے نزدیک ملکیت باقی رکھتے ہوئے منافع کو صدقہ کر دینے کا نام شریعت میں وقف ہے (درمختار ۳/۳۵۷)۔

اور حضرات صاحبین اور اکثر علماء کے نزدیک کسی چیز کو اللہ رب العزت کی ملکیت میں دے کر اس کے منافع کو اپنے پسندیدہ جائز مصارف پر صرف کرنے کا نام شریعت میں وقف ہے (درمختار ۳/۳۵۸)۔

وقف کا حکم

وقف کا حکم مفتی بہ قول کے مطابق یہ ہے کہ الفاظ وقف استعمال کرنے سے وقف تام اور لازم ہو جاتا ہے۔ اس کی بیع، ہبہ وغیرہ ناجائز اور حرام ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے: ”فقال النبي ﷺ: إن شئت حبست أصلها وتصدق بھا، غیر آنہ لا یباع أصلھا ولا یتباع ولا یوہب ولا یورث الخ“ (تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اس کی اصل کو باقی رکھ کر اس کی پیداوار کو صدقہ کر دو مگر یہ کہ اس کی اصل نہ بیچی جاسکتی ہے، نہ خریدی جاسکتی ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے)۔

۱۔ مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

وقف کی مشروعیت انسانی فلاح اور بے سہارا لوگوں کو سہارا دینے کے لئے ہوئی ہے۔

لازمی طور پر مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے ملک کے ہر گوشہ، ہر شہر اور ہر صوبہ میں وقفی نظام کا قائم کرنا اور اس کو منظم طور پر چلانا ہر ایک اخلاق مند، غیور اور باضمیر مسلمان کا فریضہ ہے تاکہ قوم کی محتاج اور معاشی کمزوری کی شکار مطلقات اور بیوائیں باعزت زندگی گزار سکیں، درد کی ٹھوکریں کھانے اور دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے محفوظ رہیں: ”الثانی موقوفۃ صدقة علی وجہ البر أو الخیر أو الیتامی جاز مؤبداً کالفقراء“ (۲۰۰/۵)۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: ”مسجد کے علاوہ دوسرے کار خیر کے لئے بھی اگر وقف ہو تو شرعاً صحیح ہے تاکہ امور خیر میں لوگوں کے لئے مزید وسعت، سہولت اور آسانی ہو (۱۰/۷۶۵، نیز دیکھئے: فتاویٰ عالمگیری ۲/۳۷۰)۔“

۲۔ تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلم سماج تعلیم کے میدان میں نہایت پیچھے ہے، یہ بات صرف ہندوستانی مسلمانوں پر ہی صادق نہیں آتی بلکہ کم و بیش پوری مسلم امت اپنے عددی تناسب کے لحاظ سے دوسری معاصر قوموں کے بالمقابل نہ صرف پیچھے بلکہ بہت پیچھے ہے، ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی صورتحال کا اگر حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اپنی آبادی کے تناسب سے اس کا تعلیمی ریکارڈ نہایت مایوس کن ہے۔

وقف میں اس مسئلہ کے حل کی ایک بہت اچھی شکل موجود ہے جسے آج وزارت تعلیم انجام دے رہی ہے، اس کے بارے میں قرآن میں بڑی فضیلت اور تاکید آئی ہے اور حدیث میں اس کو صدقہ جاریہ قرار دیا گیا ہے، آپ ﷺ نے لوگوں کو مختلف طریقے سے اس کی ترغیب دی ہے۔

ارشاد ہے: ”یا ایہا الذین آمنوا أنفقوا مما رزقناکم من قبل أن یأتی یوم

لا یمنع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعة“ (سورۃ بقرہ: ۲۵۴)۔

(اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی چیز کو خرچ کر و قبل اس کے کہ ایسا دن آئے جس میں نہ بیع و شراء ہوگی اور نہ کوئی سفارش)۔

۳۔ مریضوں کے لئے اوقاف

دین اسلام رحمت ہے، انسانوں کی خدمت اور اس کی راحت رسانی اس کی تعلیمات کا ایک جزو لاینفک ہیں، قدیم تاریخوں میں وقف کی طبی خدمات مسلم اور ثابت ہیں لیکن آج یہ چیز کمیاب اور مفقود ہے جب کہ عصر حاضر میں ایسے ایسے امراض پیدا ہو گئے ہیں جن کا علاج بہت گراں ہے اور جس پر ہر کوئی قادر نہیں۔

لہذا ایسے وقت میں شرعی اعتبار سے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اوقاف قائم کر کے اسپتال اور طبی مراکز کا نظام ایک اصول اور ضابطے کے تحت چلایا جائے اور مریضوں کا اطمینان بخش اور کارگر علاج کیا جاسکے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی و دواولہ ۱۰/ ۷۱۵۳، ۷۱۵۶، ۷۱۵۹)۔

دواول کا وقف بھر احست فقراء و اغنیاء صحیح ہے، تبعاً امراء کے لئے بھی اس سے انتفاع درست ہے (عالمگیری ۲/ ۱۱۳۶۲، البحر الرائق ۵/ ۲۰۳)۔

خلاصہ یہ کہ اسپتال اور طبی مراکز کا نظم چلانے کے لئے اوقاف قائم کرنا اور ان کی آمدنی اور منفعت سے مریضوں کا علاج و معالجہ اور طبی خدمت کرنا شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ مطلوبات شرعیہ میں سے ہے اور اس فریضہ کو انجام دینا ہر صاحب ثروت اور مالدار مسلمان پر ضروری ہے۔

ارشاد ہے: ”وفی أموالهم حق للسانل والمحروم“



متنوع سماجی و معاشی مسائل کے حل میں اوقاف کا کردار

مولانا محمد ارشد مدنی چیمپارنی

۱۔ مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف کا قیام

موجودہ دور میں غرباء و مساکین اور مطلقہ بیوہ اور بے سہارا عورتوں کا مسئلہ نہایت ہی اہم مسئلہ ہے۔ اسلام کا نظام نفقہ رائج نہ ہونے کی وجہ سے مسلم سماج کے اندر غرباء و مساکین کے ساتھ ساتھ مطلقہ اور بیوہ عورتوں کا معاشی بد حالی کا شکار ہونا عام سی بات ہو گئی ہے۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ کتاب و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز زندگی کو اسوہ بنایا جائے اور ایسے محتاج افراد کی اعانت کے لئے منظم تحریک چلانے کے ساتھ عملاً ان کی معاشی کفالت کا انتظام کیا جائے۔

رسول اکرم ﷺ نے بیوہ عورتوں کی مدد اور ان کی خبر گیری کا خصوصی نظم فرما رکھا تھا (بخاری مع الفتح ۲/۲۱۵) اسی طرح آپ ﷺ امت کو اس کار خیر میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله أو القائم

الليل، الصائم النهار“ (بخاری، نفقات ۲/۵۳۵۳، أدب ۲/۶۰۰۷)۔

یعنی ”بیوہ عورتوں اور مسکینوں کی کفالت کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ یا راتوں کو تہجد پڑھنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد اسلامی حکومتوں خصوصاً خلفاء راشدین نے بیوہ اور مطلقہ عورتوں کے لئے حکومتی سطح پر معاشی کفالت کا انتظام کیا اور اسے بحسن و خوبی انجام دیا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک بیوہ عورت کی استدعاء پر اس کا نام بیت المال کے رجسٹر میں درج کر کے اس کے اور اس کے یتیم بچوں کے لئے مستقل معاش کا انتظام فرما دیا (ص ۱۰۷، سیرۃ عمر لابن الجعفری ص ۵۷)۔ اپنی شہادت سے چند ہی روز قبل انہوں نے فرمایا:

”لئن سلمني الله لأدعن أرامل أهل العراق لا يحتجن إلى رجل بعدي أبدا“ (بخاری، فضائل الصحابہ ص ۳۰۰) (یعنی ”اگر میں زندہ رہا تو عراق کی کوئی بیوہ اپنی گداہی کے لئے کسی کی محتاج نہ رہے گی)۔

مذکورہ نصوص کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ باثروت مسلمانوں کے لئے مناسب ہی نہیں بلکہ ان کے اوپر واجب ہے کہ بیوہ اور مطلقہ عورتوں کی معاشی کفالت کا انفرادی یا اجتماعی خصوصی نظم کریں۔

مطلقہ اور بیوہ عورتوں کی مالی کفالت اور ان کی امداد کی کئی ایسی صورتیں ہو سکتی ہیں، ان میں سے چند کا ذکر کر دینا مناسب ہے:

۱۔ ان کے گزراوقات کے لئے مستقل نظم کیا جائے اور ان کے بال بچوں کی اچھی تعلیم کے لئے خصوصی پیکیج متعین کیا جائے۔

۲۔ بعض عورتیں گھریلو صنعت کے ذریعہ خود کفیل ہونا چاہتی ہیں، ان کے کام میں معاونت کی جائے تاکہ وہ گھریلو صنعت میں ترقی کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا مستقبل سنوار سکیں۔

۳۔ خواندہ طبقہ کی عورتوں کے علم سے فائدہ اٹھایا جائے محلے اور علاقے کی بچیوں کو یہ عورتیں اپنے گھروں میں ابتدائی تعلیم دیں اور ان کا ماہانہ وظیفہ اوقاف جیسے مالیاتی اداروں سے متعین کر دیا جائے یا طالبات کی اقامتی درسگاہوں میں جن میں معلمات کی ضرورت ہو، ان کی تقرری کر کے ان کا اور ان کے بچوں کا مناسب وظیفہ متعین کر دیا جائے۔

۴۔ مسلمانوں کے اندر بیوہ اور مطلقہ عورتوں سے شادی کرنے کو رواج دیا جائے اور شادی میں ان کو خوب مدد دی جائے۔

۲۔ تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

امت کے ذہین بچوں کی تعلیم کے لئے امداد کرنے میں امیر و غریب کی تفریق نہ کی جائے، غریب طلباء کے ساتھ ساتھ امیر طلباء کی بھی مدد کی جائے تاکہ امت کے عام بچوں کے اندر بے فکر ہو کر علم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ ہمارے اسلاف نے طلباء، علماء، فقہاء اور قضاة کی امداد کے سلسلے میں امیر و غریب کی تفریق نہیں کی ہے، انہوں نے خدمت علم کی تشجیع کی خاطر بلا تفریق بیت المال سے وظائف دیئے ہیں، عمرؓ نے اپنے حکام کے نام فرمان جاری کیا کہ قرآن کی تبلیغ و تعلیم کو عام کرو اور قرآن پڑھنے والوں کے لئے وظیفہ جاری کر دو۔ بعض حاکموں نے اطلاع دی کہ بعض لوگ قرآن اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ ان کی معاش کا سلسلہ پیدا ہو رہا ہے، آپ نے فرمایا کہ وظیفہ بہر حال جاری کر دو (کتاب الاموال ص ۱۷۰)۔ طلباء و اساتذہ کے وظائف کا یہ سلسلہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد تک جاری تھا (طبقات ابن سعد ۵/ ۲۶۳)۔ امام غزالی بیت المال سے علماء دین و محدثین و مفسرین، فقہاء و قراء اور طلبہ و غیرہ کی امداد و مساعدت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ولیس یشرط فی هؤلاء الحاجة بل یجوز أن یعطوا مع الغنی، فإن الخلفاء الراشدين كانوا یعطون المهاجرين والأنصار ولم یعرفوا بالحاجة ولیس یتقدر أيضاً بمقدار بل هو إلى اجتهاد الإمام“ (احیاء العلوم ۲/ ۱۳۸)۔

(ان حضرات کی امداد کے سلسلے میں حاجت و ضرورت کی شرط نہیں ہے بلکہ مناسب ہے کہ ان کو مال داری کے باوجود دیا جائے، کیوں کہ خلفاء راشدین انصار و مهاجرین کو ان کی ضرورت جانے بغیر دیا کرتے تھے اور اس میں مقدار کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ چیز امام

کے اجتہاد پر موقوف ہوگی)۔

۵۔ ملک سے باہر اعلیٰ تعلیم۔

۳۔ مریضوں کے لئے اوقاف

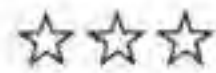
بلاشبہ دور حاضر میں انسانی آمدنی کا معتد بہ حصہ علاج و معالجہ پر صرف ہو رہا ہے اور متعدد مہلک اور جان لیوا بیماریاں مثلاً ایڈز اور کینسر وغیرہ عام ہو چکی ہیں جن کے علاج کے مصارف برداشت کرنا عام آدمی سے قطع نظر صاحب ثروت افراد کے لئے بھی کبھی کبھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ایسے افراد کی معاونت و امداد ہمارا دینی و اخلاقی فریضہ ہے، انسانی ہمدردی اور جذبہ ایثار و قربانی ہم ملت اسلامیہ کا طرہ امتیاز ہے جس کا حکم ہماری شریعت مطہرہ نے دیا ہے، اس لئے انسانی آبادی میں پیش آنے والے مصائب و آلام پر دوسروں کی مدد کرنا اور لوگوں کو اس کا رخیہ پر ابھارنا خوش آئند اور مستحسن عمل ہے بلکہ بیت المال اور اوقاف کے ذریعہ مختلف بیماریوں میں مبتلا افراد جو علاج کا صرفہ برداشت کرنے سے قاصر ہیں، کی امداد و اعانت کا معقول انتظام نہایت ہی ضروری ہے تاکہ مذکورہ بیماریوں کی وجہ سے جو شرح اموات میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور معاشی طور پر کمزور ہونے کے سبب علاج کا صرفہ نہ برداشت کر پانے والے لوگوں میں جو قلق و اضطراب ہے ان کا سد باب ہو سکے۔

۴۔ تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے اوقاف

اسلامی شریعت اور اس کے اصول و مبادی پر ہمیشہ سے مختلف پیرایہ اور انداز میں حملے ہوتے رہے ہیں، ہر دور میں اعداء اسلام نے متعدد ذہنی، فکری اور مادی و معنوی وسائل کو استعمال کر کے دین حنیف کو مٹانے کی ناروا کوششیں کی ہیں اور آج کے اس سائنس و ٹکنالوجی اور متنوع وسائل اعلام کے دور میں شریعت اسلامیہ پر حملوں اور اعتراضات کے لئے اعداء اسلام نے مختلف طریقے اپنا رکھے ہیں۔

ماضی میں ہمارے اسلاف نے تحفظ شریعت اور تبلیغ دین کی راہ میں جتنے بھی وسائل و ذرائع ہو سکتے ہیں ان کا خوب خوب استعمال کر کے دشمنان اسلام کے اعتراضات کا مسکت و مدلل جواب دیا جس کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اپنے باہمی اختلافات کے باوجود توحید و سنت کی ٹھنڈی چھاؤں میں زندگی بسر کر رہے ہیں ورنہ آج ہماری حالت کیا ہوتی اہل دانش بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

آج بھی امت مسلمہ کے ہر فرد پر واجب ہے کہ حسب استطاعت دین و شریعت کی حفاظت اور اسلامی احکام کی ترویج و اشاعت کے لئے پوری کوشش کریں، اس ضمن میں ارباب حل و عقد پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شریعت کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے کوئی منظم طریقہ اختیار کریں، کیونکہ عصر حاضر کے تمام وسائل کو بروئے کار لا کر ہی ہم اپنی اس کوشش میں نمایاں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔



موجودہ دور میں اوقاف کے شرعی مصارف

مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی ☆

- ۱- پریشان حال مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے شہروں اور دیہاتوں میں اوقاف قائم کئے جاسکتے ہیں تاکہ ان مصیبت زدہ عورتوں کی کفالت کی جائے اور یہ پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر غلط راستے پر نہ پڑ جائیں یا ڈال دی جائیں۔
- ۲- مسلمان تعلیم کے میدان میں کچھڑے ہیں کیا اس کا سبب معاشی بد حالی ہی ہے یہ محل نظر ہے، میری سمجھ سے معاشی بد حالی بعض اعتبار سے رکاوٹ بن سکتی ہے لیکن تعلیمی زوال کا اسے عمومی سبب نہیں قرار دیا جاسکتا، تعلیمی پسماندگی کے بہت سے اسباب ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

☆ گھر پر طلبہ کی مناسب نگرانی نہ ہونا۔

☆ سرمایہ داروں کا تعلیم کو اہمیت نہ دینا۔

☆ طلبہ کا مطلوبہ محنت نہ کرنا۔

- ۳- مریض کے لئے اوقاف کا قیام ہونا چاہئے۔

اس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں طبقہ کے لوگوں کا علاج کیا جائے۔

جسمانی علاج کے ساتھ روحانی علاج کا بھی نظم کیا جائے۔

۴- تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے اوقاف کا قیام جائز ہے، تحفظ شریعت کی مختلف شکلیں ہیں:

قرآن کی طباعت، قرآن کے معانی کا ترجمہ، قرآن کی تفسیر، ان کو وقف کے پیسے سے شائع کر کے مفت فراہم کیا جائے۔

حدیث کا ترجمہ،.....، تشریح، تخریج، تحقیق کر کے علماء اور طلبہ کو مفت یا کم قیمت پر فراہم کی جائے۔

اسی طرح دیگر علوم و فنون کی کتابیں شائع کی جائیں جو محقق کوئی کام کر رہا ہے اور مالی اعتبار سے کمزور ہے اس کی مدد کی جائے اور اسی وقف سے اس کی کفالت کی جائے، مذکورہ کاموں میں اخلاص کے ساتھ ساتھ امانت بھی مطلوب ہے۔

وقف کی جدائداد سے یہ کام بھی لیا جاسکتا ہے کہ اسلام کی کتابوں کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کرایا جائے، نیز قرآن، حدیث، فقہ ترجمہ کے کام میں تکرار نہیں ہونی چاہئے۔

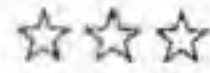
وقف کی ایک سرگرمی یہ ہو سکتی ہے کہ قرآن، حدیث یا پیغمبر اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، علماء اس کا مدلل اور منطقی جواب تحریر کریں اور نئی وی، ریڈیو، اخبار یا کتاب کے ذریعہ اسے عوام تک پہنچایا جائے۔

وقف کی جدائداد سے علماء کو وظائف دیئے جائیں اور یہ لوگ دعوت کا کام کریں۔

اس ترقی یافتہ دور میں اوقاف کے ذمہ داروں کا ذہن کامریشیل اور استثمارى ہونا چاہئے، اسی طرح اوقاف کے ذمہ داروں کو مختلف اوقاف کے لئے میزانیہ بنا کر اہل ثروت کو اس کی طرف راغب کرنا چاہئے، کہ فلاں پروجیکٹ میں اتنا سرمایہ لگے گا آپ اتنا پیسہ دے کر اسے اپنے نام وقف کرائیں۔

مثلاً: تجارت، زراعت، مچھلی پالنے، مرغی پالنے، باغ، مضاربہ، بس یا جیپ چلوانا، مکتبہ کھول کر دینا، زیراکس، پریس وغیرہ کھولنا۔

مذکورہ چیزوں میں سے کسی کے لئے کوئی جائداد دے یا پرانے وقف سے جو کمائی ہو وہ مطلوبہ حدود سے اگر زائد ہے تو اس کا استثمار کیا جائے اور اسی جیسے مد میں لگایا جائے۔
اگر کوئی جائداد کسی خاص مد کے لئے وقف کی گئی ہے اور مذکورہ مد سے اس کی آمدنی زیادہ ہے تو اسی جیسے مد میں اس کو صرف کیا جاسکتا ہے (مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام)۔



اوقاف کا قیام - ضروریات اور دائرہ کار

مولانا اقبال احمد قاسمی ☆

اوقاف کا درجہ اسلام میں دیگر عام صدقات سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، وقف، صدقہ جاریہ کے زمرہ میں آتا ہے جس کی فضیلت کے لئے یہ مشہور روایت کافی ہے:

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله ﷺ: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له“ (بحوالہ مشکاة المصابيح)۔

وقف کی صحت کے سلسلہ میں بنیادی چیز یہ ہے کہ وہ ابواب خیر میں سے کسی باب میں ہو اور اس کا سلسلہ دواماً جاری و ساری رہنے کا امکان ہو۔

مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

غریب مطلقات اور مسکین بیوگان کی کفالت اور اخراجات کے لئے وقف کی صحت و جواز میں تو کوئی شبہ نہیں، کیونکہ ان مصارف پر خرچ کار خیر میں شامل ہے اور اس کے علاوہ ان میں احتیاج اور تابید کی صورت بھی پائی جاتی ہے (فتاویٰ عالمگیری ۲/۳۷۰)۔

تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

دینی تعلیم کے لئے اوقاف تو قدیم بات ہے، الحمد للہ دینی مدارس کے لئے اوقاف کا

رواج بھی کسی قدر ہے، لیکن دنیاوی تعلیم اور ملازمت کے لائق بنانے والی تعلیم و صنعت کے لئے اوقاف کی صحت محل تامل ہے۔

دنیاوی تعلیم اگر دینی تعلیم کے ضمن میں ہو یا مسلم اسکول کا قیام علاحدہ شکل میں ہو یعنی ملک بھر میں پھیلے غیر اسلامی طرز کے کالج اور عصری تعلیم گاہوں کے برعکس اس میں دینی اعمال کی بیداری اور عمل کے ساتھ غیروں کی تہذیب سے بچا کر ان کو اعلیٰ عصری تعلیم دی جائے اور اس مقصد کے لئے اوقاف کا قیام ہو تو یقیناً کار خیر کا ایک باب شروع ہوگا اور اعمال بر کے دائرہ میں آکر وقف کی صحت کا سبب ہوگا ورنہ محض کلاسیں پاس کرا کر دین سے دور اور دنیا کے پاس کر دینا کوئی کار خیر کارنامہ نہ ہوگا اور نہ ایسے امور کے لئے وقف کرنا درست ہوگا۔

تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف کے سلسلہ میں یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا ہوگا کہ وقف کی عمارت، ہاسٹل وغیرہ سے تو امیر و غریب بھی طلبہ مستفید ہو سکتے ہیں، لیکن اوقاف کی آمدنی اور رقم و اشیاء کا مصرف صرف غریب طلباء ہی ہو سکتے ہیں اور غریب طلباء کی ملازمت میں بھی وقف کی آمدنی سے تعاون کیا جاسکتا ہے۔

مریضوں کے لئے اوقاف

غریب مریضوں کے علاج و معالجہ کا خرچ بھی ضرورت مند اور فقراء پر اخراجات کا ایک جزء ہے، لہذا فقراء اور غرباء کی دیگر ضروریات پر وقف کی طرح علاج پر خرچ کے مقصد سے کیا گیا وقف بھی صحیح ہے، ضرورت کے تحت موقع محل کے اعتبار سے ہر نوع کے شفاء خانے، ڈسپنسری سے کلینک اور نرسنگ ہوم تک کے اسپتالوں کا قیام یا محض دواؤں کا نظم یا صرف تشخیص و تجویز کی سہولت کے مراکز کا قیام یہ سب صورتیں جائز اور درست ہیں۔ صراحت ہو یا کم از کم نہ ہو تو غرباء کے علاج کے ساتھ ساتھ امراء کے علاج میں بھی رعایت برتی جاسکتی ہے بشرطیکہ وقف کا اصل محل جو فقراء ہیں اس میں خلل نہ پڑے (شامی، کتاب الوقف ۳/۴۹۳، نیز شامی ۳/۴۵۷)۔

دیگر مقاصد کے لئے اوقاف

دین کے بہت سے ایسے شعبے ہیں جن کو موجود رکھنا اور ان کی حفاظت و بقاء کا نظم اور ان کی ترقی و فروغ پوری امت مسلمہ کا اجتماعی فریضہ کفایہ ہے، مثلاً:

۱۔ مبلغین اسلام و مصلحین امت کے ذریعہ تبلیغ دین، غیروں میں تبلیغ اسلام اور مسلمانوں میں تذکیر کا کام، معروفات کی ترویج اور منکرات پر نہی۔

۲۔ ہر بستی میں دینی تعلیم کا نظم اور پیش آمدہ مسائل کا شرعی حل بتلانے کے لئے کسی مستند عالم کا ہونا کم از کم مسلمانوں کے ایمان، عقائد، نکاح، جنازہ، اذان وغیرہ کا بندوبست رکھنا۔

۳۔ یتیم خانہ کا قیام اور یتیم و نادار بچوں کی دینی و دنیاوی کفالت و تربیت۔

۴۔ نو مسلموں کا نظم جو اپنے رشتہ داروں کے ہاتھوں مظلوم و محروم ہو کر مسلمانوں کے دامن میں بھی پھل پھول نہیں پاتے اور پریشانی کا شکار رہتے ہیں۔

۵۔ عوامی قبرستان کا نظم اور ان کا تحفظ، نیز لاوارث میتوں کی تجہیز و تکفین کا نظم۔

۶۔ اجتماعی حادثات یا آفات سماوی و ارضی میں یا فسادات میں جو مجبور و پریشان حال ہو جاتے ہیں ان کے قیام و طعام و ریلیف کا نظم۔

۷۔ مسافر خانے، کالونیاں، سبیلیں بنانا۔

۸۔ نشر و اشاعت، لائبریری وغیرہ کا قیام۔

۹۔ محکمہ جات شرعیہ، دارالقضاء وغیرہ کا قیام۔

۱۰۔ اعیاد و تقریبات، وغیرہ مواقع میں غرباء کے لئے کپڑوں اور ضروریات کی فراہمی۔

اس قسم کی جملہ دینی خدمات جو کہ لابدی ہیں اور اسلامی حکومت نہ ہونے کے باعث تعطل کا شکار ہیں یا ہو سکتی ہیں، کوئی ذریعہ نہ ہونے کی صورت میں اوقاف کی آمدنی سے بھی انجام دی جاسکتی ہیں، ان کا رہائے خیر کی انجام دہی کرنے والوں کی تنخواہ بھی بر بنائے ضرورت (قیاساً علی اجرت التعليم) وقف کی آمدنی سے دینے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہ ہوگا، واقف کا منشاء پورا ہوگا اور عند اللہ اجر کا سبب ہوگا۔

وقف کے سلسلہ میں چند قابل لحاظ مسائل

حاجات و ضروریات کے تنوع کے پیش نظر وقف کے مصرف کے تعین میں واقف کو یہ ہدایت کر دینا چاہئے کہ وہ وقف کا مصرف از خود نہ قرار دے کر اس میں یا تو توسع سے کام لے یا وقف کے متولی کی صوابدید پر چھوڑ دے تاکہ واقف کی غرض کے خلاف وقف کا مصرف اختیار کرنے کی قیاحت لازم نہ آئے (شامی ۵۸۵/۳، عالمگیری ۴۹۰/۲)۔

محکمہ اوقاف ایک سرکاری محکمہ بھی ہے جو بلا مبالغہ حکومت کے شعبوں میں سب سے خائن شعبہ ہے، اس لئے حتی الامکان اوقاف کو ان کے عمل دخل سے اور ان کے تصرفات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے، یوں بھی اوقاف کو شرعاً سرکاری محکمہ اوقاف کے حوالہ کرنا ضروری نہیں ہے (خانہ ۲۹۷/۳)۔

اوقاف کو مستحکم اور اس کے نظم و نسق کو بہتر بنانے کے لئے ایک تدبیر فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ متولی جو اوقاف میں آمد و خرچ اور تصرفات کا ذمہ دار ہوتا ہے اس پر ایک نگران کمیٹی بھی مسلط رہے جو صرف نگرانی کا اختیار رکھے گی کہ جائز مصرف کے علاوہ کوئی تصرف نہ ہو سکے (خانہ ۲۹۷/۳)۔

وقف کی آمدنی کے جو مصارف ہیں ان پر خرچ کرنے میں بھی حدود کا لحاظ ضروری ہے، مثلاً:

وقف کی آمدنی اوقاف کے استحکام میں لگانا جائز ہے تزئین و نقش و نگار میں نہیں (خانہ ص ۲۹۱، عالمگیری)۔

وقف کے متولی فر یا کمیٹی کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ وقف کا حساب سالانہ یا عند الطلب واقف یا وقف سے فائدہ اٹھانے والوں یا معاملہ فہم دیانتدار محلہ والوں یا قاضی کے سامنے پیش کرتا رہے اور اپنا دامن صاف رکھنے کی کوشش کرے (درمختار ۵۸۸/۳، عالمگیری ۴۹۰/۲)۔

مختلف دینی مقاصد کے لئے اوقاف کا قیام

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

اسلام میں فلاح و بہبود کے کاموں کی ذمہ داری حکومت پر ہے اور وقف کا ادارہ ایک ایسا پرائیویٹ ادارہ ہے جو فلاح و بہبود کے کاموں میں حکومت کی امداد اور اعانت کرتا ہے۔ وقف کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اصل چیز کو باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع سے فائدہ پہنچایا جاتا ہے اور یہی بات اس کو سب سے ممتاز کرتی ہے۔ اس لئے ہر وقف صدقہ ہے، مگر ہر صدقہ وقف نہیں ہے۔ صدقہ دینے والے کی ملک سے نکل کر جس کو دیا گیا اس کی ملک میں چلا جاتا ہے، لیکن وقف واقف کی ملکیت سے نکل کر مالک حقیقی کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے منافع سے ہمیشہ ہمیشہ لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔

۱۔ جہاں تک مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف قائم کرنے کا تعلق ہے یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے، مطلقہ اور بیوہ عورتیں خاوند کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد بے سہارا ہو جاتی ہیں، اس لئے ایسا وقف ضرور ہونا چاہئے جو ایسی خواتین کو سہارا دے اور ان کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں مدد دے۔

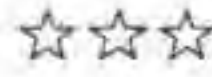
۲۔ تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف کا قیام بھی نہایت ضروری ہے، ہمارے بچوں کو مناسب تعلیم نہ ملنے سے ان کی صلاحیتیں برباد ہو رہی ہیں اور بعض اوقات ایسے بچے اچھی تعلیم و تربیت نہ ملنے کی وجہ سے بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں، اس لئے تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف کا قیام نہایت ضروری ہے۔

۳۔ مریضوں کے لئے اوقاف قائم کرنا اسلام کی روایت رہی ہے، وہ لوگ جو طبی امداد حاصل کرنے کی سکت نہیں رکھتے، ان کے لئے کم خرچ اور مفت علاج معالجے کے سہولت کا ہونا ایک صحت مند سماج کے لئے ضروری ہے، صرف علاج ہی کے لئے نہیں بلکہ ایسے کیمپ بھی لگائے جائیں جن میں حفظان صحت کے اصولوں اور طریقوں سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے، مریضوں کے اوقاف کے تحت اس طرح کے کیمپوں کا لگنا اور ان کے ذریعہ لوگوں کو صحت کے تحفظ کے طریقوں سے باخبر کرنا نہایت مفید ہوگا۔

۴۔ تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے بھی مستقل وقف ہونا چاہئے، قرآن مجید میں سورہ توبہ کی آیت ۷: ”و فی سبیل اللہ“ کے جملے میں جہاں مجاہدین شامل ہیں، وہیں دین کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دینے والے اور شریعت کے تحفظ کی خدمات انجام دینے والے بھی اس کا مصداق ہیں، اس لئے اگر ایسے اوقاف قائم ہوں گے تو دین کی دعوت کا کام زیادہ منظم اور وسیع پیمانہ پر انجام دیا جاسکے گا۔

البتہ یہ غور کرنا ہوگا کہ حکومت ہند کے وقف ایکٹ کے تحت جو ریاستی اوقاف قائم ہیں اس سے الگ ہو کر اوقاف کے ایک مستقل ادارے کو قانونی تحفظ کیسے حاصل ہوگا۔ حکومت کے قائم کردہ وقف بورڈوں پر لوگوں کو اعتماد نہیں رہا اور اس سے بدگمانیاں عام ہو چکی ہیں لیکن ایک مستقل ادارہ جو عوامی ادارہ ہوگا اس کو قانونی تحفظ اور لوگوں کا اعتماد دونوں حاصل کرنے ہوں گے، اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ امت مسلمہ میں اجتماعی کاموں کو ٹھیک ڈھنگ

سے کرنے کا ابھی وہ سلیقہ پیدا نہیں ہو سکا ہے جو اس طرح کے کاموں کے لئے ضروری ہے، خصوصاً مالیات کے معاملے میں احتیاط کا پایا جانا اور اس کے لئے معتمد افراد کا ملنا یہ سب باتیں ہمیں پیش نظر رکھی ہوں گی۔



تعلیمی، رفاہی اور دینی مقاصد کے لئے اوقاف کا قیام وقت کی اہم ضرورت

مولانا محمد ارشاد القاسمی

۱- مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

ایسے مصارف کے لئے اوقاف کا قیام شریعت اور وقت کا اہم تقاضا ہے۔

۲- تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

تعلیمی مقاصد کے لئے بھی اوقاف کا قیام ”بر“ کے مفہوم میں شامل ہے (الفقہ الاسلامی

وآدلت ۸/۱۹۵)۔

۳- مریض کے لئے اوقاف کا قیام

”بر“ کے جامع مفہوم میں جو وقف کے مقاصد میں ہے، یہ بھی شامل ہے، ان کی مالی اعانت اوقاف کی آمدنی سے اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ فقراء کے ذیل میں شامل ہو کر یہ علاج معالجہ کے لئے مالی تعاون حاصل کریں گے، اور شفا خانہ کا قیام جہاں ان کا بحسن و خوبی علاج کیا جاسکے، اس کے لئے بھی اوقاف کا قیام جائز ہے اور اوقاف کے مقاصد میں ہے (دیکھئے: الفقہ

الاسلامی وآدلت ۸/۱۹۵)۔

۴- تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے اوقاف

اس امر کی ضرورت ہندوستان جیسے ملک میں بہت شدید ہے اور یہ بڑا اور قربت کے جامع مفہوم میں داخل ہے (شامی ۲/۳۴۱)۔



نئے اوقاف کے قیام کے لئے پیش بندی کی ضرورت

مولانا سلطان احمد اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ

سوال نامہ میں: ۱- مطلقہ اور بیوہ عورتوں کی فلاح و بہبود، ۲- مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ، ۳- مریضوں کی خبر گیری اور ۴- تحفظ شریعت کے مقصد سے اوقاف کے قیام کی جو تجویز پیش کی گئی ہے، اس کے محمود اور مطلوب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ ملت اور ملت کی اس طرح کی دیگر ضروریات و مقاصد کی بھی نشاندہی کی جاسکتی ہے، جہاں تک امت کی فلاح و بہبود کے لئے نفس اوقاف کے مسئلہ کا سوال ہے تو اس کی فضیلت اور برتری کے حق میں اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ امت میں اس بابرکت روایت کی ابتداء کا سہرا موفق امت حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے سر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے خیبر میں اپنی ”شمع“ نامی اراضی کو راہ خدا میں وقف قرار دیا (ہدایہ ۲/۲۱۷ طبع رشیدیہ، دہلی)۔ اس کے سلسلے میں اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث اس کے علاوہ ہیں جن میں اس کار خیر کی غیر معمولی فضیلت اور اہمیت بیان کی گئی ہے، جس کی تفصیل اپنے مقام پر دیکھی جاسکتی ہے (ایک حوالہ کے لئے دیکھئے: الامیر الصنعانی (م ۱۴۸۶ھ): سبل السلام شرح بلوغ المرام ۳/۹۳۴، ۹۳۵، طبع جدید مکتبہ عاطف (مصر) تصحیح و تعلیق: محمد عبد العزیز الحوتی)۔

اس کی بنا پر آج بھی بالخصوص بے سہارا خواتین کی بہتری اور ان دیگر مقاصد کے لئے اوقاف کے قیام کی ترغیب مسلم عوام کو دی جاسکتی ہے، جن کی زیر نظر سوال نامہ میں نشاندہی کی گئی

ہے۔ موجودہ حالات میں جبکہ بھگت نامت میں ایک طبقے کو خوشحالی اور آسودگی میسر ہے اس کے لئے مزید فضا، ہموار کی جاسکتی ہے، شہری آبادی میں مسلمانوں کے پاس بڑی بڑی عمارتیں اور حویلیاں ہیں جن کی ان کو کوئی خاص ضرورت نہیں ہے اور تھوڑے سے عزم و ارادے سے وہ انہیں راہ خدا میں وقف کر سکتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں بھی خاص طور پر قدیمی عمارتوں اور حویلیوں کی بڑی تعداد ہے جن کا ان کے مالکوں کے لئے اب کوئی خاص مصرف نہیں رہ گیا ہے، ان کو راہ خدا میں وقف کر کے دین و ملت کی بڑی خدمت کی جاسکتی ہے اور اپنے نامہ اعمال کو سرسبز و شاداب کیا جاسکتا ہے، شہر اور دیہات دونوں جگہ دوکانوں اور زراعت اور کاشت کی زمینوں کو بھی اسی طرح مختلف مقاصد کے تحت راہ خدا میں وقف کیا جاسکتا ہے، ہندوستان میں مسلمانوں کے موجودہ نازک اور پیچیدہ حالات کے پس منظر میں بلاشبہ علماء و عمائدین امت ان کو اس کی طرف متوجہ کر سکتے ہیں اور ان کی اس پکار پر مسلم عوام و خواص کو لازماً توجہ دینی چاہئے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دوسرے مسئلہ کی طرف بھی امت کو متوجہ کرنا چاہئے اور وہ ہے امت کے اندر تنظیم کی قوت کا پیدا کیا جانا جس کے نتیجے میں کاموں کو مل جل کر دیانت داری اور اخلاص کے ساتھ لگاتار اور مسلسل باہمی مشاورت اور اعتماد کی فضا میں انجام دیا جاسکے۔ اس صلاحیت کے لحاظ سے امت اسلامیہ ہند یہ حال بالکل کھوکھلا ہے اور اس کے تمام ادارے، فورم اور تنظیمیں اکثر و بیشتر دکھاوے کی اور حقیقی قوت سے محروم ہیں، ورنہ دیانت داری، شورایت اور تنظیم کی صلاحیت اگر ہندوستانی مسلمانوں کے اندر موجود ہو تو جیسا کہ کہا جاتا ہے آج صرف پنجاب اور ہریانہ کے مسلمانوں کے قدیمی اوقاف سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جیسی کئی ایک یونیورسٹیاں چلائی جاسکتی ہیں۔ لیکن بہر حال امت کی ضرورتیں بہت پھیلی ہوئی ہیں اور ان اوقاف کے باوجود مسلمانوں کے لئے نئے اوقاف کی رورت کسی طرح کم نہیں ہوتی ہے، البتہ نئے اوقاف کے قیام کے ساتھ ان کے مؤثر انتظام کی بھی اول دن سے اسی طرح فکر کی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ پرانے اوقاف کے مانند ہمارے یہ نئے اوقاف بھی ہماری روایتی بد نظمی اور نااہلی کی نذر ہو جائیں اور ان

کی بد حالی کی شکایت کے ساتھ ان کے مؤیدین و مجوزین کی طرف بھی تنقید و اعتراض کی انگلیاں اٹھنے لگیں۔ اس کی پیش بندی کرتے ہوئے نئے اوقاف کے قیام کی ترغیب اسلامک فنڈ اکیڈمی (انڈیا) کے پلیٹ فارم سے دی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

اوقاف کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے جامع منصوبہ بندی کی ضرورت

مفتی محبوب علی وجیہی ☆

فقہ اکیڈمی کے ارکان تاسیسی کی فکر اور اس کے لئے ممکنہ حل قابل مبارکبار ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ متولیان اوقاف اپنا حق ادا نہیں کرتے، آج جو ہمارے قدیم بزرگوں کے اوقاف ہیں اگر انہیں کی ٹھیک دیکھ بھال کی جائے اور موجودہ شرح کرایہ ان کی مقرر کی جائے اور جو شکستہ ہو گئے ہیں ان کی تعمیر جدید کی جائے تو آپ کے مذکورہ مدات کے لئے بہت کچھ ضرورت ان سے پوری ہو سکتی ہے، ضرورت اس کی ہے کہ ضلع دار اوقاف کمیٹیاں بنائی جائیں جن میں علماء حق شامل ہوں اور وہ قدیم اوقاف کا سروے کریں، جن اوقاف کے متولیان غبن کر رہے ہیں یا حق تولیت ادا نہیں کر رہے ہیں ان کی تولیت توڑی جائے اور ہر مکتبہ فکر کے علماء حق کی ایک کمیٹی بنا کر کار تولیت ان کے سپرد کیا جائے، وہ ذرائع آمدنی بھی بڑھائے اور اس کو اس کے مصارف پر خرچ کرے، مزید اہل اسلام کو اس میں تعاون کے لئے سرگرم کرے، چاہے بذریعہ وقف ہو یا وقتی امداد ہو۔ اس میں جو مصارف زکاۃ کے تحت آتے ہیں، ان کے لئے زکاۃ بھی وصول کی جائے، جب علماء حق اور بااثر دین دار، دین پسند مسلمانوں کی کمیٹیاں بنیں گی اور صحیح خدمت مسلمانوں کی انجام دیں گی تو اوقاف بھی بڑھیں گے اور موجودہ اوقاف میں سدھار بھی آئے گا، مسلمان قوم آج ہمارے دینی و دنیاوی رہنماؤں سے بدگمان ہو چکی ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ ان میں اپنا اعتماد

بحال کیا جائے تو اس جیسے کام خود بخود پورے ہونے لگیں گے۔ افسوس یہ ہے کہ علماء، صوفیاء اور رہنمایان قوم خدمت کے محاذ پر پورے نہیں اترتے، اگر فدا کیڈمی یہ کام انجام دے سکتی ہے تو اس میں ضرور پیش قدمی کرنا چاہئے وگرنہ قوم کے سرمائے کو ضائع کرنے اور اپنے اوپر ایک اور داغ لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، ماشاء اللہ آپ حضرات کو مجھ سے اس معاملہ میں کہیں زیادہ تجربہ ہے اور اوقاف کی حالت سے آپ بے خبر نہیں ہیں۔ آپ نے جو چارمدات قائم کی ہیں ضروری ہیں لیکن سوچ سمجھ کر اور غور و فکر کے بعد قدم اٹھانا چاہئے۔

☆☆☆

نئے اوقاف کے قیام سے متعلق تجاویز پر غور

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ

ملی ضروریات کی تکمیل کے لئے اوقاف کے قیام کی ترغیب بظاہر بہت اچھی تجویز ہے اور دیانت دارانہ طور پر اس پر عمل ہو جائے اور مستحقین تک اوقاف کی آمدنی پہنچانے کا انتظام ہو تو بلاشبہ اس ذریعہ سے بڑے بڑے کام انجام پاسکتے ہیں، لیکن عملی اور تجرباتی زندگی میں ہمارے ملک میں آج ایسی صورتحال پیدا ہو چکی ہے کہ حصول آمدنی کے لئے اوقاف کی ترغیب دینا محض بے فائدہ بلکہ مضر معلوم ہوتا ہے، کیونکہ حکومت اسلامی کے مفقود ہونے کی وجہ سے ۹۰ فیصدی سے زیادہ اوقاف خود مسلمانوں کی طرف سے دست درازمی کا شکار ہیں اور واضح طور پر نہایت بے دردی سے ان کا استحصال کیا جا رہا ہے۔ مثلاً:

- ۱- اوقاف کے متولی حضرات وقف کی جائدادوں میں مالکانہ تصرف کرتے ہیں اور ان کی آمدنی اصل مصارف میں خرچ نہیں کرتے ہیں۔
- ۲- بعض مرتبہ متولیان کی خیانت اس درجہ تک پہنچتی ہے کہ وہ وقف بورڈ کے بددیانت افسران سے مل کر وقف جائداد کو فروخت کر دیتے ہیں۔
- ۳- وقف کی جگہ پر جو قابض ہوتا ہے وہ آسانی سے خالی نہیں کرتا اور وقف کے کرایہ دار نسل بعد نسل قابض رہنے کی وجہ سے مقبوضہ دوکان یا جائداد پر مالکانہ تصرف کرتے رہتے ہیں۔

۴۔ عموماً کرایہ داروں اور اوقاف کے متولیوں میں مقدمہ بازی شروع ہو جاتی ہے جو دسیوں سال میں بھی نمٹنے میں نہیں آتی اور ادارہ کا بڑا سرمایہ اس میں ضائع ہوتا رہتا ہے، دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی جیسے بڑے اداروں کے اوقاف کے شعبوں کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ زیادہ تر قابض کرایہ داروں سے مقدمہ بازی چل رہی ہے اور اس شعبہ کی آمدنی بہت محدود ہے جبکہ خطرات اور تحفظ اوقاف کے لئے محنتیں کہیں زیادہ ہیں۔

۵۔ مذکورہ باتوں سے قطع نظریہ بھی ایک المیہ ہے کہ جس ملی ادارہ کے ساتھ وقف وغیرہ کی شکل میں آمدنی کے متعین ذرائع جتنے زیادہ پائے جاتے ہیں اسی اعتبار سے اس میں اقتدار کے لئے رسہ کشی بھی تیز ہو جاتی ہے اور طالع آزمائسم کے لوگ ان اداروں پر قابض ہو کر من مانی کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

ان سب خرابیوں کی اصل بنیاد یہ ہے کہ یہاں کوئی ایسا طاقتور ادارہ اور حکومت موجود نہیں جو وقف کا صحیح معنی میں تحفظ کرے، انہیں خائن منتظمین اور متولیان سے بچائے اور اوقاف کو خرد برد ہونے سے محفوظ رکھے، جب تک اس کا انتظام نہ ہو یہاں اوقاف کی ترغیب کیسے دی جاسکتی ہے؟ اگر بالفرض کسی ادارے میں وقتی طور پر اس میں کوئی فائدہ بھی نظر آتا ہے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ بھی یہ نفع برقرار رہے گا، لہذا اوقاف کی ترغیب سے متعلق تجویز لانے سے پہلے اس راہ کی مشکلات کا سدباب کرنے کا انتظام کر لینا چاہئے، اس کے بعد ہی ترغیبی پہلو اپنانا چاہئے۔

مسلم اوقاف کا اسلامی حکومت سے بڑا گہرا جوڑ ہے، فقہ اسلامی کا ایک مستقل باب وقف اور اس کے تحفظ کے متعلق ہے، بلکہ بعض فقہاء نے تو اس موضوع پر مبسوط کتابیں بھی تالیف فرمائی ہیں لیکن تقریباً تمام وقف کے مسائل کی تان حاکم کے اختیارات پر آ کر ٹوٹتی ہے، شریعت میں باختیار مسلم حکومت کو اوقاف کے تحفظ کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ اوقاف کے رجسٹریشن سے لے کر اس کو کرایہ پر اٹھانے، اوقاف کے متولیان کی نگرانی کرنا، اور خیانت پر گرفت کرنے اور

کو تاحی کرنے والوں سے باز پرس کرنے تک کی ساری ذمہ داری با اختیار مسلم حاکم کی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر حاکم شرعی اس معاملہ میں دخیل نہ ہو تو اوقاف کا ہرگز تحفظ نہیں ہو سکتا۔

بہر حال ہندوستان جیسے غیر اسلامی ملک میں چونکہ تحفظ اوقاف کا ابھی تک صحیح انتظام نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو ملی ضرورت کی تکمیل کے لئے اوقاف قائم کرنے کا مشورہ دینا دراصل ان کی جائیدادوں کے ضیاع کا دروازہ کھولنا ہے، اس لئے موجودہ حالات کے تناظر میں یہ تجویز انجام کے اعتبار سے بہتر معلوم نہیں ہوتی، ضرورت اس بات کی ہے کہ جو اوقاف موجود ہیں پہلے ان کو کارآمد بنانے کی کوشش کی جائے اور جس طرح پنجاب وقف بورڈ ایک نظم کے ساتھ اوقاف کی آمدنی کے ذرائع پیدا کر رہا ہے اور وہ آمدنی ملی اداروں اور ائمہ وغیرہ کی تنخواہوں میں صرف بھی ہو رہی ہے، دیگر صوبوں کا نظام بھی اسی طرح بنانے کی کوشش کی جائے، یہ ملت کی بڑی خدمت ہوگی۔ انشاء اللہ۔



نئے اوقاف کا منصوبہ دیہات تک وسیع ہو

مفتی نعمت اللہ قاسمی ☆

اس سلسلہ میں میری تجاویز مندرجہ ذیل ہیں:

- سب سے پہلی تجویز تو اس تعلق سے یہ ہے کہ اس منصوبہ کو گاؤں دیہات تک پھیلا یا جائے۔

- دوسری تجویز یہ ہے کہ اوقاف کا قیام ہر گاؤں میں ہو یا زیادہ سے زیادہ دو چار گاؤں کا حلقہ بنا کر اس میں اوقاف کا قیام کیا جائے جو ان گاؤں یا اس حلقہ کے لوگوں کی ضروریات کے لئے کافی ہو، چھوٹے شہر کو ایک حلقہ تسلیم کیا جائے، بڑے شہروں میں کئی حلقے بنائے جاسکتے ہیں اور ہر حلقہ میں اوقاف کا قیام ہو۔

- تیسری تجویز یہ ہے کہ ہر دو چار اوقاف پر ایک منتظم مقرر ہو جو ان اوقاف کی حفاظت اور نگرانی کرے۔

- چوتھی تجویز یہ ہے کہ ہر حلقہ میں امداد کی درخواست پر غور کرنے کے لئے پانچ نفری کمیٹی بنادی جائے جو ہر ہفتہ امداد کی درخواست پر غور کر کے ایماندارانہ فیصلہ کرے۔

- پانچویں تجویز یہ ہے کہ تمام ذیلی مراکز (اوقاف) کو منظم اور مربوط رکھنے کے لئے ایک مرکزی وقف بورڈ قائم ہو جس کی حیثیت منتظم اعلیٰ کی ہو۔

☆☆☆